تعلیم وتربیت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

مفتی عظمت اللہ البنوی

طریقۂ درس وتدریس (ٹیچنگ) کے بارے میں اصولِ نبویؐ:

جنہوں نے سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کفار ومشرکین نے ہر مقام پر رسول اکرم ﷺ کا مقابلہ کیا۔ آپ ﷺ کے راستوں میں کانٹے بچھائے آپ کے ساتھ معاشرتی طور پر قطع تعلق (Social Boycott) کرکے آپ ﷺ کو مع پیروکاروں کے شعب ابی طالب میں محصور کیا۔ آپ ﷺ کو اپنے مقصد سے ہٹانے کے لئے خوب صورت عورتوں اور ملک ومال کی پیش کش کی۔ ڈرایا دھمکایا، قتل کے منصوبے بنائے، آپ ﷺ کو ساحر، مجنون اور ابتر کہا۔ مگر ان تمام چیزوں کے باوجود آپ ﷺ کے پائے ثبات مین لغزش تک نہیں آئی پھر رسول اکرم ﷺ نے اپنے ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہر وقت ان کے لئے ہر قہر وغضب کے بجائے رحم وشفقت کے جذبات رکھے ہیں۔ اگر کبھی کسی نے فرمائش بھی کی کہ فلاں شخص یا فلاں قوم کو بد عادین تو آپ ﷺ کے دستِ شفقت ہمیشہ ان کی ہدایت کے لئے اٹھے۔ ساری ساری رات عبادت مین مشغول رہنے کے بعد صبح امت کی مغفرت اور رحمت کے لئے دعا فرمائی۔ رسول اکرم کا انداز تعلیم عام اساتذہ کی طرح نہیں تھا کہ سبق پڑھایا، تشریح کی، کتاب بند کی اور بس۔ بلکہ آپ ﷺ ایک طرف قرآن وحدیث کے الفاظ سکھاتے، تشریح بیان فرماتے، عملی انداز میں سمجھاتے اور پھر دوسری طرف امت کے افراد کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے۔ کم بیشی اور اور کجی کا علاج فرماتے اور جب تک حالت سدھر نہ جاتی اصلاح کا عمل جاری رہتا اسلام میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ اپنے پیروکاروں کو حرام اور ناجائز کاموں کی فہرست ہاتھ میں نہیں تھماتا بلکہ جہاں حرام اور ناجائز امور کی پیش بندی کرتا ہے وہاں متبادل حلال اور جائز راہ عمل کی نشان دہی بھی کرتا ہے اور امت کو اپنی ضروریات جائز طور پر پوری کرنے کے لئے پوری پوری راہنائی کرتا ہے۔ رسول اکرم کی حیا طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے جو بھی حکم دیا سب سے پہلے اس پر خود عمل کرکے دکھایا اس طرح اپنے اہل وعیال اور قریبی دوست واحباب کو بھی اس سے مستثنی قرار نہیں دیا بلکہ ان کے لئے دوسروں کے بہ نسبت عمل کو زیادہ لازم قرار دیا۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ کسی قوم، ملک یا تحریک کے علمبردار اپنے آپ کو قانو اور اصول سے بالاتر سمجھتے ہیں اور جس چیز کی نصیحت دوسروں کو کرتے ہیں خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ مگر سول اکرمؐ اپنے ارشاد پر سب سے پہلے خود عمل کرتید اس میں جہاں تواضع، انکسار مساوات اور پابندی قانون کا درس ہے وہاں رسول اکرمؐ کے عمل سے امت کے لئے عملی نمونہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ اور ایک نظریاتی امر (Theory) کو کس طرح عملی (Practial) انداز میں انجام دینا چاہیے اس کی معقول صورت سامنے آجاتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ جس معلم میں اخلاص اور لگن ہو، نرمی اور شفقت ہو، اپنی تعلیمات پر خود یقین اور عمل ہو تو وہ نہ صرف کامیاب معلم ہوتا ہے بلکہ دوسرے معلمین کے لئے بھی قابل تقلید نمونہ

ہوتا ہے۔رسول اکرمؐ کی ذات مبارک میں

یہ ساری چیزیں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر جمع تھیں۔ آیئے رسول اکرمؐ کی ذات کے چند تعلیمی وتربیتی اوصاف کا ذکر کریں۔

عام فہم اندازِ کلام:

معلم کے لئے ایک ضروری صفت یہ ہونی چاہئے کہ جب وہ درس دے تو نہایت صاف بات کرے۔الفاظ کی ادائیگی الگ الگ کرے اور اس طرح فصاحت سے بولے کہ مخاطب ذہن پر بوجھ ڈالے بغیر سمجھا جائے۔رسول اکرمؐ کی عادت تھی کہ بات بڑی فصاحت اور وضاحت کے ساتھ فرماتے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

" کان کلام رسول اللہ کلاما فصلا یفہمہ کل من یسمعہ" ۔ (۳)۔

" رسول اللہؐ کا کلام الگ الگ الفاظ پر مشتمل ہوتا تھا اس طرح کہ جو بھی اس سنتا سمجھ جاتا "۔

رسول اکرمؐ کی مجلس میں بعض اوقات سامعین کی تعداد زیادہ ہوتی اور ہر فرد تک بات پہنچانا مشکل ہوتا یہ احساس رہتا کہ بعض افراد بات نہیں سمجھ پائیں گے اس لئے رسول اکرمؐ اپنی بات کو تین دفعہ دہراتے۔

حضرت انسؓ آپؐ کی اس عادت مبارک کے بارے میں فرماتے ہیں۔

" کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفہم عنہ " ۔ (۴) ۔

آپؐ جب بات کرتے تو تین دفعہ دہراتے یہاں تک کہ بات سمجھ میں آجاتی۔اسی روایت میں ہیں کہ آپؐ تین بار سلام فرماتے۔اس کا مقصد بھی یہی ہوتا کہ تمام مخاطبین تک آواز پہنچ جائے۔اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ استاد کو چاہیے کہ درس کے دوران ٹھہر ٹھہر کر بات کرے اور اگر بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے یا مشکل مقام ہو تو دو تین بار بات دہرائے کہ یہ سارے اصول رسول اللہؐ کے طرز عمل سے ثابت ہیں۔

مخاطب کی ذہنی استعداد کی رعایت:

رسول اکرم ﷺ ایک ماہر تعلیم تھے۔اور ایک ماہر تعلیم اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ جو بات وہ کہنا چاہتا ہے۔آیا وہ مخاطبین کی ذہنی استعداد کے مطابق بھی ہے۔یا نہیں وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتا جو مخاطب کی ذہنی استعداد سے بالاتر ہو۔چنانچہ پرائمری اسکول کا استاد اپنے بچوں کو ان کی ذہنی استعداد کے مطابق سبق پڑھاتا ہے اور ہائی سکول کا استاد اپنے بچوں کو ان کی ذہنی استعداد کے مطابق درس دیتا ہے۔رسول اکرم ﷺ اس بات کا بڑا خیال فرماتے تھے کہ اگر شخص نیا مسلمان ہوا ہے اور دوسرا قدیم الاسلام ہے تو دونوں کو سمجھانے میں فرق رکھیں تاکہ دونوں اپنی ذہنی استعداد کے مطابق سمجھ سکیں۔یہی فرق آپ ﷺ ایک شہری اور ایک دیہاتی کی تعلیم میں ذہنی استعداد کو مدنظر رکھ کر روا رکھتے۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے اپنے علاقے کی

مخصوص زبان و لہجے میں رسول اللہ ﷺ سے سفر کے دوران روزے کا حکم پوچھا۔اس زبان میں مختلف حروف کو میم سے بدلا جاتا تھا۔ اس کا سوال تھا:

" امن امبر امصوم فی امسفر ؟ " .

آپؐ نے اسے مخصوص زبان و لہجے میں جواب دیا:

" فقال لیس من امبر امصوم فی امسفر " . (۵).

خود قرآن پاک کے تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی اللہ نے یہی حکمت بیان فرمائی ہے۔قرآن کریم سے قبل ساری آسمانی کتابیں اپنے اپنے پیغمبروں پر یکبارگی نازل ہوئی ہیں جبکہ قرآن کریم کم وبیش تیئس سال کے عرصے میں نازل ہوا ہے۔کافروں نے اس پر بھی اعتراض کیا کہ سارا قرآن کریم ایک دم کیوں نازل نہیں ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اس طرح نازل کرنے کی دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا رسول اکرم ﷺ سے بار بار رابطہ کرنا آپؐ کی تسلی اور دلجمعی کے لیے ہے۔دوسرے یہ کہ اسے ہم آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے نازل کرتے ہیں۔کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

ارشاد ہے: " وقال الذین کفروالو لانزل علیه القرآن جملة واحدة کذالك لنثبت به فؤ ادك ورتلناه ترتیلا o " . (۶)

پیغمبر کی مثال ایک طبیب اور حکیم کی ہوتی ہے اور جس طرح ایک مریض دو چار دن کے بعد طبیب کو دوبارہ معائنہ کراتا ہے۔مرض کے احوال بتاتا ہے۔دوا کے اثرات بیان کرتا ہے اور پھر مزید ہدایات لے کر دوا استعمال کرتا ہے۔اسی طرح رسول اکرم ﷺ بھی باطنی امراض کا بار بار معائنہ فرماتے اور ارشادات کے ذریعہ اصلاح فرماتے۔

تعلیم میں تدریج کا اصول:

بدی یک دم ختم نہیں ہوتی اور نیکی فوراً نہیں آسکتی۔اس کے لیے بڑی محنت اور حکمت عملی کی ضرورت ہوتی ہے۔اور ایک طویل جدوجہد کے بعد معاشرہ صحیح معنوں میں اصلاح پزیر ہوسکتا ہے۔عرب کا معاشرہ بگڑ چکا تھا اور اس کی اصلاح کے لیے تدریج کی اصول کے ضرورت تھی۔یعنی اس کی خرابیوں کی آہستہ آہستہ اور مرحلہ وار ختم کیا جائے۔اللہ تعالیٰ کی ذات حکیم ہے اور حکمت کا تقاضا ہے کہ اصول کا خیال رکھا جائے۔یہ اصول اصلاح اسلام نے کس طرح بتدریج رائج کئے۔اس کی ایک واضح مثال شراب کی حرمت ہے۔ چونکہ شراب کا استعمال عرب معاشرے میں بہت زیادہ تھا اور اسے فوراً ختم کرنا مشکل تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے شراب سے متعلق قرآن پاک میں پہلے آیت نازل فرمائی:

" یسئلو نك عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما " . (۷).

ترجمہ: ''یہ لوگ آپ ﷺ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے'' ۔

اس کے کچھ عرصہ بعد دوسری آیت نازل ہوئی۔اس میں حکم تھا:

" یا ایھا الذین امنو لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ " . (۸).

''اے ایمان والو!تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ'' ۔

اس میں عبادت کے وقت شراب کے استعمال اور اس کے اثرات سے بچنے کی ممانعت تھی۔اس کے کچھ عرصے بعد سختی کے ساتھ شراب سے منع کیا گیا اور اسے مکمل طور پر حرام قرار دیا گیا۔جس کی تفصیل سورۃ المائدہ میں مذکور ہے۔یہی اصول رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات میں کارفرما تھے۔امت کو پہلے پہل آسان طریقے سے راہ عمل کی نشاندہی فرماتے اور پھر آہستہ آہستہ اس مقام تک پہنچاتے جہاں تک مشیت جل جلالہ ہوتی۔

تعلیم میں زبردستی کرنے سے اجتناب:

رسول اکرم ﷺ کے طریقہ تعلیم میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ دین اور حصول علم کے سلسلے میں کسی پر زبردستی کوئی حکم نہیں تھوپتے تھے بلکہ ترغیب اور نرمی سے کام لیتے اور عمل کے فضائل بیان فرماتے ۔خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی " . (۹) .

دین کے قبول کرنے میں کسی پر زور زبردستی نہیں ہے بے شک ہدایت کو گمراہی سے واضح کر کے الگ کر دیا گیا ہے۔مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اچھے اور برے راستے کو خوب واضح کر کے بیان فرمادیا ہے۔اب ہر عقلمند انسان اپنے لیے اچھے یا برے راستے (یعنی اسلام یا کفر) کا انتخاب خود کر سکتا ہے۔اسی طرح اسلامی احکام میں بھی تکلیف بما لایطاق کا تصور نہیں ہے۔یعنی ایسی چیز جو انسان کے لیے خواہ مخواہ تکلیف دہ اور ضرر رساں ہو اسلام میں کسی انسان کو اس کے کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا " . (۱۰) .

اللہ تعالیٰ کسی کو ایسی چیز کی تکلیف نہیں دیتا جو اس کی وسعت اور طاقت سے باہر ہو۔ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

" فذکر انما انت مذکر o لست علیھم بمصیطر o " . (۱۱).

آپ نصیحت کریں آپ کا کام تو بس نصیحت کرنا ہے اور آپ ان پر نگران نہیں ہیں۔اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

" وما انت علیھم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید " . (۱۲).

اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں۔ سو قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت کیجئے جو ہماری وعید کا ڈر رکھتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر نظر دوڑائیں گے تو اسے ان آیتوں کی عملی تفسیر پائیں گے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات بڑی حکمت، موعظت اور نرمی کے ساتھ امت کو منتقل کی ہیں اور اس سلسلے میں کبھی زور زبردستی اور جبر دستی اور جبر واکراہ سے کام نہیں لیا ہے۔

دوسروں کو اُکتانے سے پرہیز:

عبادت ہو یا حصول علم دونوں کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس کے لیے ہشاش بشاش ہو اور اکتاہٹ کا شکار نہ ہو۔ چنانچہ وہ معلم جو طالب علموں کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھتا ہو، اس بات اہتمام کرتا ہے کہ طالب علم درس لیتے وقت تازہ دم ہو۔ وہ تھکاوٹ اور اکتاہٹ کا شکار نہ ہو اور درس اس پر بوجھ نہ بنے۔ رسول اکرم ﷺ اس اصول کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرمائی ہیں۔

" كان النبى ﷺ يقول خذوا من العمل ماتطيقون فان الله لايمل حتى تملوا " . (۱۳).

رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اتنا عمل کیا کرو جتنا تمہارے بس میں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمہارے کثرتِ عمل سے) نہیں اُکتاتا، ہاں تم اُکتا جاؤ گے۔

دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"كان النبى يتخو لنا بالمو عظة فى الايام كراهة السآمة علينا " . (۱۴)

رسول اکرم ﷺ چند روز کے بعد ہمیں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ ہمارے اوپر اکتاہٹ غالب نہ آجائے۔

اس سلسلے میں بخاری و مسلم میں ایک دلچسپ واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک بار مسجد نبوی میں داخل ہوئے دیکھا کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان لٹکی ہوئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے پوچھا یہ رسی کس لیے ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ نے لٹکائی ہے۔ جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹک کر تھکاوٹ اتارتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ رسی کھول دو۔ جب تک تم میں سے کوئی تازہ دم رہے تو نماز پڑھا کرے اور جب تھک جائے تو آرام کرلیا کرے۔ (۱۵)

اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ عبادت کی طرح طلب علم میں بھی طالب علم کے لیے ہشاش بشاش اور تازہ دم ہونا ضروری ہے۔ جب تھکاوٹ اور اکتاہٹ ہو تو اسے آرام کا موقع دینا چاہیے۔

مشفقانہ رویہ:

معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرم خو اور شفیق ہو۔ تعلیم جس طرح نرمی اور شفقت سے انسان کے ذہن میں جگہ پاتی ہے اس

طرح سختی سے نہیں پاتی۔ رسول اکرم ﷺ کے اخلاق عام لوگوں کے ساتھ بہت نرم تھے اور خود ان کو حکم فرماتے کہ نرمی سے کام لیا کرو۔

حضرت عائشہؓ رسول اکرم ﷺ کی حدیث روایت کرتی ہیں:

" ان الله رفيق يحب الرفق في الامر كله " . (۱۶).

"بے شک اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور تمام کاموں میں نرمی کو پسند فرماتا ہے "۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی روایت کرتی ہیں۔

" ان الرفق لايكون في شي الازانه ولا ينزع من شي الاشانه " .(۱۷).

"نرمی جس چیز میں شامل ہو جائے تو اسے خوب صورتی بخشتی ہے اور جس چیز سے نکالی جائے تو وہ بدمزہ ہو جاتی ہے "۔

رسول اکرم ﷺ نہایت نرم خو تھے اور قرآن پاک میں یہ نرمی اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت قرار دی گئی ہے۔

ارشاد ہے:

"فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك " . (۱۸).

"اللہ کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے لیے نرم پڑ گئے ہیں اور اگر سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے ہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے "۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤ منين رؤف رحيم " . (۱۹).

"بے شک آیا ہے تمہارے پاس ایک پیغمبر جو تم ہی میں سے ہے، گراں گذرتی ہے ان پر وہ بات جو تم کو مشقت میں ڈالتے، تمہاری بھلائی کی حرص رکھتے ہیں، مومنوں کے لیے شفیق اور رحم دل ہیں "۔

حضرت انس بن مالکؓ نے دس سال تک رسول اکرم ﷺ کی خدمت کی ہے۔ آپؐ رسول اکرم ﷺ کے مشفقانہ رویئے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک سے نرم کوئی چیز نہیں دیکھی اور نہ ہی آپ کے جسم مبارک کی طرح کوئی خوشبودار چیز سونگھی ہے۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کی دس سال تک خدمت کی ہے مجھے آپ نے کبھی "اوہو" تک نہیں فرمایا۔ کبھی نہیں فرمایا کہ تم فلاں کام کیوں کیا؟ اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ " (۲۰)۔

اسی طرح ایک دوسرے صحابی اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں بچپن میں انصار کے نخلستان (کھجور کے باغ) میں گیا اور ڈھیلے مار مار کر کھجور گراتا۔ لوگوں نے پکڑ کر مجھے آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ آپ اسلام اس لیے آیا کہ انسان سے بے

مقصد بوجھ ہٹادے۔ چنانچہ پیغمبر ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے:

"ویضع عنهم اصراهم والا غلل التی کانت علیهم " . (۲۴).

''اور یہ نبیؐ اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں '' ۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

" یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر " . (۲۵).

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے سختی نہیں چاہتا'' رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

" یسروا ولا تعسیروا وبشروا ولا تنفروا " . (۲۶).

'' لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو اور سختی مت کرو اور خوش خبریاں سنایا کرو اور نفرت مت دلاؤ '' ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپؐ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔(۲۷)۔

نماز کتنی اہم ترین عبادت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں بھی فرمایا کہ جب تم دوسرے لوگوں کو نماز پڑھاؤ تو مختصر پڑھایا کرو۔ کیونکہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جتنا جی چاہے لمبی کرے۔(۲۸)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین میں بے جا سختی نہیں ہے اور خصوصاً طالب علم کے ساتھ نرمی، آسانی اور سہولت کا معاملہ کرنا چاہیے۔

مزاج اور نفسیات کی رعایت:

رسول اکرم ﷺ ماہر نفسیات تھے اور تعلم بھی۔ ایک ماہر نفسیات کی طرح مزاج اور نفسیات کو سامنے رکھ دیتے تھے۔ یا یوں کہیے کہ آپؐ ایک ماہر طبیب تھے اور مریض کی بیماری کے مطابق اس کا روحانی علاج کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص والدین کا نافرمان ہوتا اور آکر نصیحت طلب کرتا تو آپؐ اسے والدین کی فرمانبرداری کا حکم دیتے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کچھ مزید نصیحت کیجئے آپؐ نے فرمایا ''غصہ مت کیا کرو'' اور کئی بار یہ سوال وجواب ہوا۔(۲۹)۔ اس لیے کہ اس شخص میں یہی بری بیماری تھی جس کا علاج کرنا ضروری تھا۔

جنگ وجدال سے پرہیز:

رسول اکرم ﷺ نے عام زندگی میں اور خصوصاً تعلیم کے باب میں جنگ وجدال سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے۔ بلکہ یہ حکم فرماتے کہ اگر کوئی حقدار بھی ہو اور جنگ وجدال کی نوبت آئے تو اپنے حق سے دستبردار ہو جائے مگر لڑائی جھگڑا نہ کرے۔ حضرت ابوامامہؓ

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کے لیے جنت کے سامنے ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں جو حقدار ہوتے ہوئے بھی جھگڑا نہ کرے۔(۳۰)۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جارہا تھا آپ نے چادر زیب تن فرمائی ہوئی تھی جس کے کنارے موٹے تھے۔ایک دیہاتی آیا اور آپؐ کو اس چادر کی اطراف سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔جس کی وجہ سے آپؐ کے گلے پر اس کے نشان پڑ گئے۔اس نے کہا اے محمدؐ ! اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے مجھے بھی کچھ دو۔آپؐ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیئے اور اسے مال دینے کا حکم فرمایا۔(۳۱)۔

دیکھئے آپؐ نے نہ بدلہ لیا، نہ تلخ گفتگو فرمائی بلکہ ہنس دیئے اور اسے مال دینے کا حکم فرمایا۔یہ طرز عمل آپؐ کے اس قول کا عملی نمونہ تھا۔جس میں آپؐ نے فرمایا:

" احسن الی من اساء الیك " .

''جو تیرے ساتھ برائی کرے تو جواب میں اس کے ساتھ اچھائی کر''۔

تعلیم، عملی انداز میں:

رسول اکرم ﷺ کے طریقہ تعلیم میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ جو چیزیں محض زبانی طور پر سمجھانے سے سمجھ میں نہ آتیں بلکہ عملی طور پر سمجھانے کی ضرورت ہوتی۔آپؐ وہ چیزیں عملی طور پر سمجھاتے۔چنانچہ بچوں کی تربیت کے پیش نظر ان کو اپنے ساتھ کھانے پر بٹھاتے تاکہ کھانے پینے کے عملی آداب سیکھ جائیں۔حضرت عمرو بن سلمہؓ ایک صحابی ہیں جن کو رسول اکرم ﷺ کے گھر میں پرورش کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا آپؐ کی پرورش میں تھا۔جب میں آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھاتا تو بوٹی، سبزی کی تلاش میں میرا ہاتھ پورے برتن میں پھرتا تھا۔

آپؐ نے فرمایا:

"یا غلام سم الله تعالیٰ و کل بیمینك و کل مما یلیك " . (۳۲).

'' بچے! بسم اللہ پڑھا کرو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھا '' ۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے انسانی زندگی، خواہشات، امیدوں اور اس کے ساتھ لگی مصیبتوں اور حادثات کے بارے میں صحابہ کرامؓ کو سمجھانا چاہا تو عملی طور پر سمجھانے کے لیے زمین پر ایک نقشہ کھینچا جو اس طرح تھا:

فرمایا کہ اس نقشہ میں چار تکونی خانہ انسانی زندگی ہے۔ درمیانی لکیر انسان ہے۔چھوٹی چھوٹی لکیریں مصائب ومشکلات ہیں۔جس نے انسان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔اور لمبی لکیر کا جو سرا باہر نکلا ہے یہ اس کی امیدیں ہیں جو اس زندگی سے بھی لمبی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ انسانی زندگی مختصر ہے۔مصائب ومشکلات نے اسے ہر طرف سے گھیرے رکھا ہے جبکہ امیدیں زندگی سے بھی زیادہ لمبی

ہیں ان کے پورا ہونے سے قبل ہی موت آجاتی ہے۔(۳۳)۔ یہ عملی تعلیم کی کتنی واضح مثال ہے کہ ایک ان پڑھ یا کم تعلیم یافتہ انسان بھی اس کے ذریعے بات کو آسانی کے ساتھ سمجھ جاتا ہے۔

اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم:

رسول اکرم ﷺ کے عمل اور تعلیمات میں جو ایک واضح چیز ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ تمام کاموں میں اعتدال اور میانہ روی ہے۔ اسلام کا یہ اصول آج کل زبان زدِ عام ہے۔

" خیر الامورا وسطها " .

''بہترین کام میانہ روی والا ہے '' ۔

ایک بار تین افراد رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ عبادت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ ساری رات عبادت کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ساری عمر روزہ رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا میں ساری عمر نکاح نہیں کروں گا اور شہوت پوری کرنے سے دور رہوں گا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا زیادہ پرہیز گار ہوں اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزے کے بھی رہتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور میں نے نکاح بھی کئے ہوئے ہیں۔ جو میرے طریقے کے خلاف کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔ (۳۴)۔ اس سلسلے میں حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں:

" کنت اصلی مع رسول الله ﷺ الصلوٰت فکانت صلوته قصدا وخطبته قصداً " . (۳۵).

میں رسول اللہؐ کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا آپؐ کی نماز بھی درمیانہ درجے کی تھی اور خطبہ بھی درمیانہ درجے کا ہوتا تھا '' ۔

اختصار اور جامعیت:

رسول اکرم ﷺ کے کلام اور تعلیم کا انداز اس طرح ہوا کرتا تھا جس میں اختصار بھی ہوتا اور جامعیت بھی ہوتی تھی۔ یعنی الفاظ مختصر ہوا کرتے تھے مگر ان کے ذریعے پورا پورا مطلب واضح ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی چند احادیث کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ ان میں غور کریں کہ کتنے مختصر الفاظ ہیں اور کس قدر جامعیت ہے۔ حضرت ابوعمروؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اسلام میں ایسی چیز بتادیں کہ آپؐ کے بعد کسی سے پوچھنے کی حاجت باقی نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا:

" قل امنت بالله ثم استقم " . (۳۶).

''ایمان لانے کے بعد اس پر مضبوطی سے جم جاؤ''۔

ایک دوسری مختصر اور جامع حدیث ہے جو حضرت جابرؓ نے نقل کی ہے۔ ارشاد ہے:

"کل معروف صدقة " . (۳۷).

" ہرایک نیکی صدقہ ہے " ۔

ایک اور مختصر اور جامعہ حدیث ہے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

" المرء مع من اَحب " . (۳۸).

''انسان کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھے گا۔ظاہر ہے جو جس کے ساتھ محبت رکھے گا۔اسی کے نقش قدم اور طریقے کے مطابق زندگی بسر کرے گا جو دونوں کے لیے ایک جیسے حشر کا ذریعہ بنے گا۔

دلچسپ مثالیں بیان کرنا:

رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات میں ایک یہ چیز بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ آپؐ بات کی وضاحت کے لیے بعض مواقع پر بہت پیاری پیاری مثالیں بیان فرماتے۔جس کی وجہ سے ایک طرف بات مخاطب کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتی اور دوسری طرف اس سے مجلس میں رونق اور تازگی بھی پیدا ہو جاتی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ بھی ایک گناہ کبیرہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ ایک شخص اپنے ماں باپ کو کس طرح گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا کہ کوئی شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔اس طرح ایک شخص کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے۔اور وہ جواب میں اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔یہ اس طرح ہوا جیسے اس نے اپنے ماں باپ کو گالی دی۔(۳۹)۔ایک روایت میں ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مضبوط توکل کرو وہ تم کو اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔پرندے صبح سویرے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ آتے ہیں۔(۴۰)۔

تعلیم میں اجارہ داری کا خاتمہ:

اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے حصول علم کو ہر انسان کا حق قرار دیا ہے۔اور اس سلسلے میں کسی قوم یا جماعت کے قبضے اور اجارہ داری کو ناجائز قرار دیا ہے۔اسلام میں بچوں کی تعلیم کی بھی تاکید کی گئی ہے۔مردوں اور عورتوں کی تعلیم کی بھی تاکید موجود ہے۔یہاں تک کہ غلاموں اور لونڈیوں کو بھی زیور تعلیم سے مزین کرنے کا حکم ہے۔اور اس کے بارے میں فضائل بیان ہوئے ہیں۔ایک بار رسول اکرم ﷺ کی مجلس میں غریب اور نادار صحابہ کرامؓ تشریف فرما تھے۔کہ چند مالدار کافر آئے اور کہا کہ ہم آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں مگر اس شرط پر کہ ان غریب افراد کو اپنے سے دور کیجئے۔رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔وحی نازل ہوئی:

" ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ " . (۴۱).

'' جو لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے اسے پکارتے ہیں ان کو اپنے سے دور مت کیجئے '' ۔(۴۲)۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایک ایسی بارش کی سی ہے جو زمین کے کسی حصے پر برسے اور اچھی زمین ہو جو پانی جذب کرے سبزہ اور گھاس اُگائے اور اس زمین کا بعض حصہ ایسا ہو جو پانی اپنے اندر جمع کرے اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ یعنی خود پانی پئیں اور کھیتی کو بھی پانی دیں۔ اور زمین کا ایک حصہ بنجر ہو جو نہ پانی جذب کرتا ہو اور نہ کچھ اُگاتا ہو۔ اسی طرح اس علم کو بعض لوگ سمجھ جاتے ہیں اور دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور بعض اس طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔(۴۳)۔

مقصد یہ ہے کہ دین اور اس کی تعلیم عام ہے۔ اگر کوئی اسے قابل اعتنا نہ سمجھے اور حاصل نہ کرے تو یہ اس کی اپنی بدقسمتی ہے اس میں دین کا کچھ قصور نہیں۔

عورتوں، لڑکیوں کی تعلیم ضرورت و اہمیت:

اسلام علم اور تعلیم کا مذہب ہے جو ہر انسان کو تعلیم کا حق دار ٹھہراتا ہے۔ اسلام سے قبل عورتوں کے حقوق متعین نہ تھے۔ اسلام نے ان کو دیگر حقوق سمیت تعلیم حاصل کرنے کا بھی حق دیا۔ اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی پرورش کرے ان کو ادب سکھائے اور ان پر رحم اور شفقت کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں اور پھر ان کا نکاح کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب فرما دیتے ہیں۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی پرورش اور تربیت کا کیا ثواب ہے؟ آپؐ نے فرمایا ان کا بھی یہی ثواب ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اگر کوئی ایک بیٹی یا ایک بہن کے بارے میں پوچھتا تو اسے بھی یہی جواب دیا جاتا۔(۴۴)۔ یہ تو آزاد عورت کے لیے حکم ہے اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''جس کے پاس ایک لونڈی ہو اور یہ اسے تعلیم دے اور بہتر طریقے سے دے اور بہتر طریقے سے ادب سکھائے، پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کر لے تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔(۴۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی تعلیم کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ہفتے میں ایک دن مقرر فرمایا تھا جس میں عورتوں کو نصیحت کیا کرتے تھے۔ البتہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ علم کا حصول اگر مرد سے ہو تو مکمل پردے میں ہو۔ عورت کا مرد اساتذہ اور طلبہ میں گھل مل جانا اور ان سے پردہ نہ کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

خود کو نمونہ بنانا:

ایک معلم اس وقت تک کامیاب معلم نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے نظریات اور تعلیمات پر خود عمل نہ کرے۔ رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ خود عمل سے تعبیر تھی۔ آپ ﷺ کی ذات بہترین نمونہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ساتھ پیغمبر ﷺ کی ہستی اس لیے بھیجی ہے کہ قرآنی تعلیمات کی عملی صورت امت کے سامنے آجائے۔ اور قرآن کی تفسیر واضح اور متعین ہوجائے۔ آپ ﷺ نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا حکم دوسروں کو دیا ہے اور خود ان عبادات کی ادائیگی میں سب پر سبقت لے گئے ہیں۔

بہت سی روایات ہم تک آنحضرت ﷺ سے ایسی پہنچی ہیں جن میں آپ سے زبانی ہدایات منقول نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کے طرز عمل سے ہی حکم اور طریقہ متعین ہوا ہے۔ سلام کرنا اسلام کی بنیادی اور معروف اعمال میں سے ایک ہے۔ معاشرے میں اس سنت کو رواج دینے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے ہمیشہ سلام کرنے میں پہل کی ہے۔ حضرت انسؓ رسول اکرم ﷺ کے خادم خاص تھے۔ بچوں کے قریب سے گزرتے ہوئے ان کو سلام کرتے اور فرماتے کہ رسول اکرم ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے۔ (۴۶)۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ کی تعلیمات بہت جلد دنیا میں پھیل گئیں اور لوگوں کے دلوں میں جگہ پکڑ گئیں۔ لہٰذا معلم کو چاہیے کہ وہ اپنی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے خود نمونہ اور مثال بنے۔

بے فائدہ سوال وجواب سے احتراز:

اصل علم اور تعلیم وہ ہے جو ایک خاص مقصد کے تحت ہو۔ بے مقصد تعلیم فائدے کے بجائے نقصان دیتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اس بات کا خاص اہتمام فرماتے تھے کہ بے فائدہ سوال جواب سے احتراز ہو۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" یا ایھا الذین امنو لا تسئلو ا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤ کم " . (۴۷)

" اے ایمان والو! بہت ساری ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھا کرو اگر تمہیں حقیقت معلوم ہوجائے تو تم کو برا لگے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

" دعونی ماترکتم انما ھلك من کان قبلکم کثرۃ سؤ الھم واختلافھم علی انبیائھم " . (۴۸).

جس کام کے بارے میں میں خود وضاحت نہ کروں اس کے بارے میں تم مت پوچھا کرو کیونکہ تم سے قبل لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں کہ (بے ضرورت) زیادہ سوالات کیا کرتے تھے۔ اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ مسلمان بندے کے اسلام کی خوبی بھی یہی ہے کہ بے معنیٰ اور فضول کاموں اور باتوں سے احتراز کرے۔ مختصراً یہ کہ اسلام ایک بامقصد مذہب ہے اور دوسروں کو لایعنی باتوں، بے مقصد کاموں اور فضول سوال وجواب سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

بغیر کسی اجرت کے تعلیم دینا:

آپ ﷺ کی تعلیمی خصوصیات میں سے ایک یہ چیز تھی کہ اس پر کسی قسم کی اجرت یا معاوضہ طلب نہ فرماتے۔ تعلیم عام تھی اور مفت بھی۔ بلکہ علم کے طلبہ پر اپنی طرف سے خرچ فرمایا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں اصحاب صفہ دین کے طالب علم تھے جب کہیں سے کوئی صدقہ آتا تو آپ ﷺ ان کے پاس بھیجتے۔ دین اور علم پر اجرت طلب کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کو ہدایت دیتے ہیں۔

''قل لا اسئلکم علیہ اجرا '' ۔ (۴۹)۔

فرما دیجیے کہ میں تم سے اس دین پر کسی قسم کی اجرت طلب نہیں کرتا، ان ہی تعلیمات کے تناظر میں متقدمین علماء نے قرآن کی تعلیم پر تنخواہ لینا ممنوع قرار دیا تھا۔ بعد میں دینی امور میں کمزوری اور کوتاہی کے پیش نظر متاخرین علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ بلکہ عصر حاضر میں تنخواہ مقرر کرنا فسادِ زمانہ کی وجہ سے اولیٰ ہے تاکہ حصولِ تعلیم والے اس کی قدردانی اور معلّم خود کو ذمہ دار ٹھہرا سکے۔

تعلیم میں سادگی اور انکساری:

معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی سادہ وضع قطع کا مالک ہو اور اس کے درس کا طریق کار بھی سادہ ہو۔ اس کے علاوہ اس کے مزاج میں عاجزی اور انکساری ہو اور علم کا غرور بے جا فخر نہ ہو۔ ہمیں دین نے یہ سبق دیا ہے۔ کہ تواضع اور انکساری شرافت کی علامت ہے۔ اور غرور اور تکبر رذالت کی علامت ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''ماتواضع احد الا رفعہ اللہ '' ۔ (۵۰)۔

جو تواضع اور عاجزی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عزت و رفعت عطاء فرمائے گا۔

جب طبیعت میں سادگی اور عاجزی آجائے تو پھر طالب علم بغیر کسی خوف و جھجک کے استاد کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور علم کا حصول شروع کرتا ہے۔ ایک بار ایک مسافر صحابی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ خطبہ دے رہے تھے۔ اس صحابی کو مجلس کے آداب کا علم نہیں تھا۔ عرض کیا کہ مجھے آپ دینی احکام سکھا دیں۔ آپؐ نے خطبہ دیا اور اس صحابی کو دین کے احکام بتائے اور پھر جا کر اپنا خطبہ شروع فرمایا۔ (۵۱)۔

آج معلمین نے آپؐ کے اندازِ تعلیم کو اپنایا تو پوری دنیا میں تعلیم عام ہو جائے گی اور اس تعلیم کے اثرات عام معاشرے کے لیے دیرپا اور مفید بھی ثابت ہوں گے۔

صحابہ کرام تابعین اور تابع تابعین کا تعلیم وتربیت کے حصول کے لیے صعوبتیں اور اسفار:

پہلے انسان کا پہلا کام:

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا فرمایا ان کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ جب پیدا کر چکے تو فرمایا جا کر اس جماعت کو سلام کرو (وہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی)۔ وہ جو حد یہ تم کو دیں وہ سن لو۔

وہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا حد یہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو السلام علیکم کہا، انہوں نے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا، فرشتوں نے ''ورحمۃ اللہ'' کا اضافہ کیا، پس جو بھی جنت میں داخل ہوگا وہ حضرت آدم کی صورت پر ہوگا، اس کے بعد سے مسلسل لوگوں کے قد اب تک کم ہوتے چلے آرہے ہیں۔

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ حدیث کے ان الفاظ ''کہ جا کر اس جماعت کو سلام کریں اور جو حد یہ دیں وہ سن لیں'' میں اس بات پر دلالت ہے کہ فرشتوں کی وہ جماعت حضرت آدم علیہ السلام سے دور تھی۔ اور اس میں طلب علم کے لیے سعی کرنے کی دلیل ہے اور یہ کہ طلب علم کے لیے سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام نے سعی کی۔

حصول علم سے استغناء نہیں:

امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حر بن قیس فزاری کا صاحب موسیٰ کے بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ کون تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ (۵۲)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ان پر گذر ہوا۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ میرا اور میرے ساتھی کا صاحب موسیٰ کے بارے میں اختلاف ہوا ہے، جن کی ملاقات کے لیے حضرت موسیٰ نے راہنمائی طلب کی تھی، کہ وہ کون تھے؟ کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کو ان کے بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سُنا ہے، انہوں نے کہا کہ ہاں' میں نے نبی کریم ﷺ سے سُنا، آپ ارشاد فرمارہے تھے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ سے کوئی بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، اللہ کریم نے حضرت موسیٰؑ کو بذریعہ وحی ارشاد فرمایا کہ ہاں ہمارا بندہ خضرؑ تم سے بڑا عالم ہے، حضرت موسیٰؑ نے ان تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ دریافت کیا، اللہ نے مچھلی کو ان کے لیے علامت مقرر فرمایا کہ جہاں یہ مچھلی تم سے گم ہو جائے، اس جگہ کی طرف واپس آجانا وہ تم کو وہاں مل جائیں گے، یہ دریا میں مچھلی کا نشان دیکھتے رہے تو موسیٰؑ کے ساتھی جوان نے کہا دیکھئے جب ہم چٹان کے پاس آرام کے لیے ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا اور شیطان نے مجھ کو بھلا دیا اس نے سمندر میں اپنی راہ لی تھی۔ اچنبھا ہے، حضرت موسیٰؑ نے کہا یہی تو ہم چاہتے تھے۔ وہاں سے اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے

واپس پلٹے ۔ ان دونوں نے حضرت خضر کو پالیا، پھر ان میں وہ مکالمہ اور معاملہ ہوا جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا، کہ یہ باب طلب علم کے لیے مشقت برداشت کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ جو چیز انسان کو قابل رشک بنائے اس کے حصول کے لیے مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، سیدنا حضرت موسیٰ ؑ کی سیادت اور آپ کے مقام رفیع نے آپ کو طلب علم اور اس کے لیے بحر و بر کا سفر کرنے سے نہیں روکا۔

حدیث میں صرف طلب علم کے لیے بحری سفر اختیار کرنے کا ذکر ہی نہیں آیا بلکہ علم میں اضافہ کے لیے بحری سفر اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ سفر میں سفری اخراجات ساتھ لے جانے کی مشروعیت کا ذکر بھی ہے، اور ہر حال میں تواضع لازم ہے، اور یہ کہ کوئی بڑا آدمی بھی جب کسی سے تعلیم حاصل کرتا ہے تو اس کو بھی عاجزی اختیار کرنی چاہیے، اسی وجہ سے حضرت موسیٰ ؑ نے حضرت خضرؑ کے ساتھ ملاقات اور ان سے حصول علم کے اشتیاق کا اظہار کیا تھا۔ اس میں قوم کے لیے تعلیم ہے کہ وہ ان کے طریقہ کو اپنائیں اور اس میں تزکیہ نفس والوں کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ تواضع کا راستہ اختیار کریں، اس میں اضافہ علم کی فضیلت ہے اگر چہ اس کے لیے مشقت کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔

خطیب البغدادی نے اپنی کتاب ''الرحلۃ فی طلب الحدیث'' میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ بعض اہل علم نے کہا کہ موسیٰ ؑ نے سفر کی جو مشقت اٹھائی۔ اور اس مشقت پر جو صبر کیا، اور حضرت خضر کے ساتھ جس طرح عاجزی سے پیش آئے، جبکہ حضرت خضر کو حضرت موسیٰ ؑ کے قصد سے ان کے مقام اور ان کے شرف نبوت کا علم بھی ہو گیا تھا، اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ اہل علم کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے اور یہ کہ جس سے علم حاصل کیا جائے اس کے سامنے تواضع اور عاجزی ہی بہتر ہے۔

درجہ اور مقام کی بلندی کی وجہ سے اگر شاگرد کے سامنے تواضع سے مستثنیٰ ہوتا تو وہ حضرت موسیٰ ؑ ہی ہوتے، لیکن جب انہوں نے اہتمام اور کوشش کا اظہار کیا، اور جو علم ان کے پاس نہ تھا، اس کے لیے وطن سے نکل جانا منظور کر لیا تو اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہیں جو تواضع کے بغیر اس حال میں بلند ہوا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مفتاح دار السعادہ'' میں اہل علم کی فضیلت میں چونتیسویں وجہ یہ لکھی ہے، کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اپنے برگزیدہ کلیم اللہ جن کے لیے اللہ نے تورات اپنے ہاتھ سے لکھی تھی کا واقعہ حصول واز دیاد علم کے لیے ایک عالم شخص کی طرف سفر کرنے کا ذکر فرمایا۔

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ''جب موسیٰ ؑ نے اپنے جوان کو کہا کہ میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا، یا چلتا جاؤں قرنوں'' حضرت موسیٰ ؑ کو اس عالم سے ملاقات کی اتنی شدید حرص تھی اور ان سے سیکھنے کی اتنی خواہش، پھر جب ان سے ملاقات ہو گئی تو وہ ان کے ساتھ ایسے پیش آئے جیسے ایک طالب علم اپنے استاد کے ساتھ پیش آتا ہے ''موسیٰ ؑ نے ان کو کہا کہ کہیے تو میں تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھلا دے جو کچھ تجھ کو سکھلائی گئی ہے بھلی راہ، سلام کرنے کے بعد انہوں

نے حضرت خضر کے ساتھ رہنے کی اجازت طلب کرنے سے بات کی ابتداء کی، کہ آپ کے ساتھ رہنا آپ کی اجازت سے ہوگا اس لیے کہا کہ جو بھلی راہ آپ کو سکھلائی گئی ہے آپ مجھ کو سکھلا دیں" اور یہ کہ وہ علم سیکھنے اور علم میں اضافہ کے لیے آئے ہیں کسی آخری قسط امتحان اور عیب کی تلاش کے لیے نہیں۔

علم کے شرف وفضیلت کے لیے یہ بات کافی شافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور کلیم علیہ السلام نے جب ایک عالم شخص کے بارے میں سُنا تو آپ وک اس وقت تک قرار نہ آیا جب تک آپ نے ان سے مل کر ان کے ساتھ رہنے کی اجازت ان سے طلب نہ کر لی۔ یہ طویل سفر اور سفر کی صعوبتیں آپ نے صرف تین مسئلوں کے لیے برداشت کی۔ (۵۳)۔

صحابہ کرامؓ کا حصولِ تعلیم کے لیے سفر کے واقعات:

پُرخطر مقامات کے لیے رخصت سفر:

امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب المناقب" میں قصہ زمزم اور اسلام ابوذر کے باب میں اور امام مسلم نے فضائل ابوذر رضی اللہ عنہ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے، کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی بعثت کا علم ہوا، تو آپ نے اپنے بھائی انیس کو کہا کہ آپ اس وادی میں جا کر اس شخص کے بارے میں مجھے معلومات فراہم کردیں جو یہ کہتا ہے کہ مجھ پر آسمانی خبریں آتی ہیں۔

انیس مکہ مکرمہ آئے نبی کریم ﷺ کی گفتگو سنی اور واپس جا کر حضرت ابوذر کو کہا کہ وہ اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور ایسا کلام پیش کرتے ہیں جس کا اشعار وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کچھ میں چاہتا تھا تیری حاصل کردہ معلومات سے مجھ کو اس میں کوئی تسلی تشفی نہیں ہوئی۔ حضرت ابوذرؓ نے سفر کی تیاری کی زادراہ اور پانی کا مشکیزہ ساتھ لیا اور مکہ مکرمہ وارد ہوئے اور مسجد حرام میں آ کر نبی کریم ﷺ کی تلاش کی۔ لیکن خود تو پہچانتے نہ تھے اور کسی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا یہاں تک کہ رات ہوگئی اور آپ لیٹ گئے، حضرت علیؓ آپ کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ کوئی مسافر ہے ان کو گھر لے جانے کی دعوت دی اور گھر لے گئے لیکن ایک دوسرے سے کوئی بات چیت نہ کی یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

حضرت ابوذرؓ اپنا سامان لے کر پھر مسجد آ گئے یہ دن بھی گذر گیا اور آپ نے نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھا، پھر جب شام ہوگئی اور آپ لیٹنے کے لیے جانے لگے تو حضرت علیؓ کا پھر گذر ہوا، تو فرمایا کہ شاید آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر اُٹھا کر اپنے ساتھ گھر لے گئے پھر بھی ایک دوسرے سے کوئی بات نہ پوچھی۔ یہاں تک کہ تیسرا دن ہوگیا۔ تو حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں اپنے آنے کا مقصد بیان نہیں کرتے، حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ تم پکا وعدہ کرو کہ میری صحیح راہنمائی کرو گے تو میں اپنا مدعا بیان کر دیتا ہوں، حضرت علیؓ نے وعدہ کیا تو انہوں نے اپنا مدعا بیان کر دیا، حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ بالکل سچ ہے اور وہ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں۔

صبح آپ میرے پیچھے پیچھے چلتے رہیں۔ اگر میں راستہ میں تمہارے بارے میں خطرہ محسوس کروں تو میں دیوار کی اوٹ میں پیشاب کرنے کے بہانے ہو جاؤں گا، تم چلتے رہنا اور اگر میں چلتا رہوں تو تم بھی میرے پیچھے چلتے رہنا تا کہ ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ چلتے رہے اور میں بھی پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ہاں داخل ہو گئے اور حضرت ابوذرؓ بھی اندر داخل ہو گئے، حضرت ابوذرؓ نے نبی کریم ﷺ کی بات سنی اور وہیں مسلمان ہو گئے۔ (۵۴)۔

حصولِ مقصد کے لیے طویل انتظار:

حضرت ابوذرؓ کے اسلام کے واقعہ کی ایک دوسری روایت ہے جس کے راوی ان کے بھتیجے عبداللہ بن الصامت الغفاریؓ ہیں۔ امام مسلمؒ نے اس کو اپنی صحیح میں ذکر کیا، جس کا خلاصہ یہ ہے، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا قبیلہ غفار شہر حرم کو حلال سمجھتے تھے، میں اور میرا بھائی انیس اور ہماری والدہ ہم اپنے قبیلے سے نکل کر مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ اتر گئے، میرا بھائی کسی کام کی غرض سے مکہ مکرمہ چلے گئے، واپس آنے میں انہوں نے تاخیر کر دی، واپسی پر میں نے تاخیر کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگے کہ مکہ مکرمہ میں میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے کہا کہ لوگ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں، اس نے کہا کہ لوگ ان کو شاعر کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔

انیس خود بھی شاعر تھے، انیس کہنے لگے کہ میں کاہنوں کی باتیں سنیں ہیں، لیکن ان کا کلام کاہنوں کی طرح نہیں، اور بڑے بڑے شعراء کے کلام کے مطابق میں نے ان کے کلام کو پرکھا۔ لیکن ہر بڑے شاعر کے کلام میں سے میں نے ان کے کلام کو فائق پایا ان کا کلام شعر نہیں۔ اللہ کی قسم وہ سچے اور باقی لوگ جھوٹے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے اپنے بھائی کو کہا کہ پھر میں جاتا ہوں تم میرا انتظار کرو، تا کہ میں ان کا معاملہ دیکھ لوں، کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آ گیا اور لوگوں میں ایک ضعیف اور کمزور شخص کو تلاش کیا، اور اس سے پوچھا، ''اس لیے کہ ضعیف آدمی سے اکثر و بیشتر شر کا خطرہ کم ہوتا ہے'' کہ تم جس شخص کو صابی کہتے ہو وہ کہاں ہے؟ اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ صابی ہے۔ اس کے کہنے سے تمام بستی والے پتھروں، ڈھیلوں اور ہڈیوں سے مجھ پر پل پڑے۔ اور میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ مجھ کو جب ہوش آیا تو زیادہ خون نکلنے کی وجہ سے میں سرخ بت کی طرح تھا (اہل جاہلیت پتھروں کے بتوں کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور خون ان پر ڈال دیتے تھے جس کی وجہ سے وہ سرخ ہو جاتا تھا)۔

فرماتے ہیں کہ میں زمزم کے کنویں کے پاس آیا، اپنے جسم سے خون دھویا اور زمزم کا پانی پیا، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھتیجے مجھے اسی حالت میں تیس دن ہو گئے، میرے کھانے پینے کے لیے زمزم کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی، لیکن زمزم کے پانی کے ساتھ میں اتنا موٹا تازہ ہو گیا کہ میرے پیٹ میں سلوٹیں پڑ گئیں، اس عرصہ میں مجھے بھوک کا اثر اور کمزوری محسوس نہیں ہوئی۔

فرماتے ہیں کہ ایک چاندنی رات میں تمام اہلِ ملہ سو گئے۔ کعبہ کے گرد طواف کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے حجر اسود کا استیلام کیا بیت اللہ کا طواف کیا اور نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے حاضر

ہوکر سلام کیا۔ آپؐ نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کی قبیلہ غِفار سے ہوں، آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنی پیشانی پر رکھا میں نے دل میں سوچا کہ میری قبیلہ بنو غِفار کی طرف نسبت کرنے کو حضور ﷺ نے ناپسند سمجھا، میں نے آپ کے ہاتھ مبارک کو پکڑنا چاہا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ کو روکا۔ وہ حضور ﷺ کے بارے میں مجھ سے زیادہ جاننے والے تھے، انہوں نے مجھ سے اور حضور ﷺ سے بدشگونی دور کرنے کے لیے ایسا کیا۔

پھر حضور ﷺ نے سر مبارک اٹھا کر مجھ سے پوچھا کہ تم کب سے یہاں ہو؟ میں نے عرض کی تیس دن سے، آپ نے پوچھا تم کو کھانا کون دیتا ہے۔ میں نے کہا زمزم کے پانی کے علاوہ میرا کوئی کھانا نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ میں اتنا موٹا تازہ ہوگیا ہوں کہ میرے پیٹ میں سلوٹیں پڑ گئیں اور میں اپنے جگر میں بھوک کا اثر بھی محسوس نہیں کرتا آپ نے فرمایا کہ یہ مبارک پانی کھانے کا کھانا اور بیمار کے لیے شفا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ حضرت آج ان کے کھانے کے لیے مجھے اجازت دے دیجئے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ چل پڑے میں بھی ان کے ساتھ ہوگیا حضرت ابوبکرؓ نے دروازہ کھولا اور مٹھیاں بھر بھر کر طائف کی کشمش ہمارے لیے لاتے رہے یہ پہلا کھانا تھا جو میں نے مکہ مکرمہ میں کھایا۔ (۵۵)۔

ایک حدیث کے حصول کے لیے مہینہ کا سفر:

امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب العلم میں "علم کے لیے نکلنے کے باب" میں نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے ایک حدیث سیکھنے کے لیے ایک مہینہ کا سفر کیا۔

اسی حدیث کی طرف امام بخاری نے اپنی کتاب "ادب المفرد" کے باب المعانقہ میں اشارہ کیا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کے بارے میں سنا کہ انہوں نے ایک حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے۔ میں نے ایک اونٹ خریدا اور رخت سفر باندھا ایک مہینہ تک میں نے سفر کیا اور عبداللہ بن انیس کے پاس شام پہنچا میں نے ان کے دربان کو کہا کہ عبداللہ بن انیس کو کہو کہ جابر دروازے پر ہے، اس نے کہا کہ جابر بن عبداللہ، میں نے کہا ہاں! عبداللہ بن انیس باہر نکلے میرے ساتھ معانقہ کیا میں نے ان کو کہا کہ مجھے ایک حدیث کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے وہ نبی کریم ﷺ سے سنی ہے، مجھے یہ ڈر محسوس ہوا کہ کہیں مجھے یا آپ کو اس کے سننے سے پہلے موت نہ آجائے (اس لیے میں نے یہ سفر اختیار کیا) عبداللہ بن انیس نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ اسی حالت میں اٹھائے جائیں گے کہ ننگے بدن اور غیر مختون ہونگے اور ان پر کچھ بھی نہ ہوگا اللہ کریم اس موقعہ پر ایسی آواز سے پکاریں گے کہ دور والے بھی اسی طرح سنیں گے جس طرح قریب والے، فرمائیں گے کہ میں بادشاہ ہوں اور میں ہی بدلہ لینے والا ہوں، جو جنتی کسی جہنمی کو کسی انصاف میں مطلوب ہو اس کے لیے جنت کا داخلہ نہیں۔ اور جو جہنمی کسی جنتی جہنم میں بغیر حساب کے تصفیہ کے داخل نہ ہوسکیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ

کیسے ہوسکے گا جب ہم اللہ کے پاس ننگے حالت میں جائیں گے،اور حساب وکتاب تو نیکیوں اور برائیوں سے ہوگا۔ (۵۶)۔

خطیب بغدادی نے حدیث جابرؓ کو اپنی کتاب ''الرحلۃ فی طلب الحدیث'' میں مختلف طرق سے نقل کیا ہے،اور خطیب بغدادی کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث کا اس حدیث کو ان صحابہ کی احادیث میں ذکر کیا ہے جنہوں نے صرف ایک حدیث کی سماع کے لیے سفر کیا،خطیب بغدادی کی کتاب ''الرحلۃ'' ایک نافع اور علم کے لیے سفر اختیار کرنیوالوں میں تحریک اور داعیہ پیدا کرنے والی کتاب ہے آپ اس کو ضرور پڑھیں تا کہ آپ بھی حصول علم کے لیے سفر اختیار کریں۔ (۵۷)۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حدیث جابرؓ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حصول علم کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اتنی حرص تھی جو اس سفر سے ثابت ہورہی ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص طلب علم کے لیے سفر کرتا ہے تو کیا وہ ایک بڑے عالم کے پاس مستقل رہ جائے یا برابر سفر کرتا رہے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ وہ سفر برابر اختیار کیے رکھے اور مختلف علاقوں کے علماء سے کتابت علم کرتا رہے۔ لوگوں کے قریب ہوتا رہے اور ان سے علم حاصل کرتا رہے۔ (۵۸)۔

مسلسل سفر اختیار کرنا:

حافظ عراقی کی ''شرح الالفیہ'' اور حافظ سخاوی کی ''فتح المغیث'' میں ہے کہ عبداللہ بن احمد حنبل نے اپنے والد سے پوچھا کیا طلب علم پر لازم ہے کہ وہ ایک ہی صاحب علم کی صحبت کو ہمیشہ اختیار کیے رکھے اور اسی سے علم حاصل کرتا رہے اور لکھتا رہے یا مختلف جگہوں (جہاں پر علماء موجود ہوں) کا سفر کرتا رہے اور ان سے سماع کرے انہوں نے فرمایا کہ اس کو سفر کرتے رہنا چاہئے اور علماء کوفہ، علمابصرہ، اہل مدینہ اور اہل مکہ سے کتابت علم کرنا چاہیے۔اس کو لوگوں کے قریب ہوکر سماع کرنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آدمی کو طلب علم کے لیے سفر کرنا چاہیے؟

آپ نے فرمایا ہاں سخت قسم کا سفر اختیار کرنا چاہیے۔پھر آپ نے فرمایا کہ علقمہ بن قیس النخعی اور اسود بن یزید النخعی دونوں اہل کوفہ میں سے ہیں۔یہ عراق میں ہوتے تھے ان کو حضرت عمرؓ کی مروی حدیث پہنچتی تو یہ صرف اس پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ یہ دونوں حضرات مدینہ کا سفر اختیار کرتے اور خود سیدنا عمرؓ سے سماع کرتے۔ (۵۹)۔

کثرت مشائخ سے علم میں کمال آتا ہے:

مشہور فلسفی علامہ قاضی فقیہ، مؤرخ، ماہر عمرانیات وعلوم معاشرت، عبدالرحمان بن محمد بن خلدونؒ (۷۳۲۔۸۰۸) نے مقدمہ ابن خلدون میں فرمایا کہ علم کے لیے سفر اور مشائخ کے ساتھ ملاقات سے علم میں کمال پیدا ہوتا ہے اس وجہ سے کہ انسان، معارف واخلاق اور مذاہب کی اعلیٰ اقدار اور فضائل کبھی تو علم تعلیم اور ملاقات سے حاصل کرتا ہے، اور کبھی اس کے سامنے بیان کرنے سے، ہاں

مباشرۃ تلقین سے جو ملکہ اور استعداد پیدا ہوتی ہے، اس میں استحکام اور رسوخ زیادہ ہوتا ہے۔ پس ملکات اور ان میں رسوخ کا دارومدار کثرت شیوخ پر ہے۔

تعلیم علوم میں اصطلاحات کا استعمال علم کے ایک جزء کے طور پر ہمیشہ رہا ہے لیکن اصطلاحات کی سمجھ طالب علم پر مشتبہ ہی رہتی ہے۔ اس لیے کہ معلمین کا طریقہ اس میں مختلف ہوتا ہے، مختلف اساتذہ سے بالمشافہ اخذ علم سے یہ اشتباہ دور ہو جاتا ہے۔

پس اہل علم سے ملاقات اور مشائخ کی کثرت اصطلاحات میں کثرت طرق کی اشتباہ میں تمیز کا فائدہ دیتا ہے ورنہ علم ان اصطلاحات کے فوائد سے خالی ہوگا۔ اور یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ یہ اصطلاحات بھی تعلیم کا ایک گوشہ اور مقصود تک وصولی کا طریقہ ہے۔ ملکہ میں استحکام اور رسوخ کے لیے اس کی قوتیں بلند ہو جاتی ہیں۔ اس کے معارف صحیح اور دوسروں سے ممیز ہو جاتے ہیں۔ جبکہ ملکہ میں تقویت بالمشافہ اخذ علم تلقین اور تکثیر مشائخ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کام اس شخص کے لیے ہے جس کے لیے اللہ کریم نے علم وہدایت کے طریقے آسان کر دیے ہیں۔ طلب علم کے لیے سفر کرنا ضروری ہے تاکہ مشائخ کی ملاقات اور لوگوں کے میل جول کی وجہ سے یہ فوائد اور کمال حاصل ہو جائے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ (۶۰)۔

تعلیم اوائل عمر میں حاصل کرنا افضل ہے:

امام ابن جماعہؒ نے اپنی کتاب ''النافع البدیع'' کے باب ''تذکرہ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم'' میں طالب علم کے لیے آداب پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا، تیسری بات یہ ہے کہ وہ اپنی جوانی اور اوائل عمر کے اوقات میں تحصیل علم کے لیے جلدی کرے، اس کو آرزوؤں اور امیدوں کے دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے، اس لیے کہ عمر کی جو گھڑی گذر جائے اس کا کوئی بدل اور عوض نہیں اور مشغولیتوں والے تعلقات، اعمال خیر سے دور رکھنے والے مشاغل اس کے حصول علم کے لیے کوشش، جدوجہد کی قوۃ، مکمل طلب جس پر اب یہ قادر ہے ختم کر دیں گے۔ کیونکہ یہ مشاغل ڈاکوؤں کی مانند ہیں۔ اسی وجہ سے سلف نے طالب علم کے لیے گھر سے دوری اور اجنبیت کو مستحب سمجھا ہے۔ اس لیے کہ فکر جب منقسم ہو تو وہ حقائق ودقائق اور علمی موشگافیوں سے محروم رہتی ہے۔ (۶۱)۔

تعلیم وتربیت کا ایک بڑا حصہ خط وکتابت بھی ہے:

چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے انسانوں کی تربیتی پہلو سامنے رکھ کر مختلف دعوتی خطوط بھی جاری کیے۔ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

کسریٰ کے نام گرامی نامہ:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کے ہاتھ اپنا خط روانہ فرمایا اور ان صحابیؓ کو حضور ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ یہ خط بحرین کے گورنر کو دیں۔ چنانچہ بحرین کے گورنر نے وہ خط لے کر کسریٰ تک پہنچا دیا۔ جب کسریٰ نے وہ خط پڑھا تو اس نے خط کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابن مسیبؒ نے فرمایا تھا کہ یہ سن کر حضور ﷺ نے

ان کے لیے بددعا کی کہ ان کے بھی ایسے ہی ٹکڑے کر دیے جائیں۔ (۶۲)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عبد قاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک دن بیان فرمانے کے لیے منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثناء بیان فرمائی اور کلمۂ شہادت پڑھا۔ پر آپ نے فرمایا:

''امابعد! میں تم میں سے کچھ لوگوں کو عجم کے بادشاہوں کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں اور جیسے بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰؑ کے سامنے اختلاف کیا تھا تم میرے سامنے ویسا اختلاف نہ کرنا''۔

مہاجرینؓ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ہم کبھی بھی آپ کے سامنے کسی چیز کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کریں گے۔ آپ ہمیں جو چاہیں حکم دیں اور جہاں چاہیں بھیج دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت شجاع بن وہبؓ کو بلوایا حضرت شجاعؓ محل میں داخل ہو گئے تو کسریٰ نے کسی درباری کو حکم دیا کہ ان سے خط لے لے۔ حضرت شجاع بن وہبؓ نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا! میں تو حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اپنے ہاتھ سے خود تمہیں خط دوں گا تو کسریٰ نے کہا اچھا قریب آجاؤ! چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر وہ خط دیا پھر اس نے حیرہ کے رہنے والے اپنے ایک منشی کو بلایا۔ اس نے حضور ﷺ کا خط پڑھنا شروع کیا تو خط میں مضمون یوں تھا:

''اللہ کے رسول محمد بن عبداللہ کی جانب سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا ہے۔'' اس بات پر اسے بڑا طیش آیا کہ حضور ﷺ نے اپنا نام اس کے نام سے پہلے کیوں لکھا ہے اور اس نے بڑا شور مچایا۔ خط کو پڑھنے سے پہلے ہی اس نے خط لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس نے حکم دے کر حضرت شجاعؓ کو اپنے ایوان سے باہر نکال دیا۔

حضرت شجاعؓ یہ منظر دیکھ کر اپنی سواری پر بیٹھ کر چل دیئے اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کا خط کسریٰ کو پہنچا دیا ہے اب مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے چاہے وہ خوش ہو چاہے وہ ناراض ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ جب کسریٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو اس نے حضرت شجاعؓ کو اپنے پاس بلانے کے لیے ایک آدمی کو بھیجا۔ حضرت شجاعؓ وہاں سے آگے نکل چکے تھے۔ حضرت شجاعؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر ساری کارگزاری سنائی اور یہ بتایا کہ کسریٰ نے حضور ﷺ کے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسریٰ نے تو اپنے پورے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (۶۳)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کا خط کسریٰ کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھ کر اسے پھاڑ ڈالا تو اس نے یمن کے گورنر باذان کو خط لکھا کہ اپنے پاس سے دو مضبوط قسم کے آدمی حجاز کے اس (خط لکھنے والے) آدمی کے پاس بھیجو تا کہ وہ اسے پکڑ کر میرے پاس لائیں۔ چنانچہ اس نے کسریٰ کے خط کی وجہ سے اپنے داروغہ کے ساتھ جد جمیرہ نامی فارسی آدمی کو بھیجا۔ اس داروغہ کا نام ابانوہ تھا۔ وہ منشی اور بڑا حساب دان تھا اور اس نے ان دونوں کے ساتھ حضور ﷺ کے نام ایک خط بھیجا۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ حضور ﷺ ان دونوں کی ہمراہی میں کسریٰ کے پاس چلے جائیں اور یمن کے گورنر نے اپنے داروغہ سے کہا کہ ان کی (یعنی حضور ﷺ کی) تمام چیزیں کو غور سے دیکھنا اور ان سے خوب بات چیت کرنا اور ان کے تمام حالات اچھی طرح معلوم کر کے آنا

اور سب مجھے بتانا۔ وہ دونوں یمن سے چلے اور طائف پہنچے وہاں ان دونوں کو قریش کے چند تاجر ملے۔ انہوں نے تاجروں سے حضور ﷺ کے بارے میں دریافت کیا تو ان تاجروں نے بتایا کہ حضور ﷺ یثرب میں (یعنی مدینہ میں) ہیں۔ (حضور ﷺ کو کسریٰ کے پاس لے جانے کے لیے ان دو سپاہیوں کے آنے سے) وہ تاجر بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب تو حضور ﷺ کے مقابلہ میں کسریٰ کھڑا ہو گیا ہے لہٰذا اب حضور ﷺ سے نمٹنے کے لیے تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ دونوں وہاں سے چلے حتیٰ کہ مدینہ پہنچ گئے اور ابانوہ نے حضور ﷺ سے کہا کہ کسریٰ نے یمن کے گورنر باذان کو خط بھیجا کہ وہ (باذان) آپ کے پاس چند سپاہیوں کو بھیج دے جو آپ کو کسریٰ کے پاس پہنچا دیں چنانچہ باذان نے ہمیں اسی غرض سے بھیجا ہے تاکہ آپ ہمارے ساتھ کسریٰ کے پاس چلیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا! اب تو تم دونوں واپس چلے جاؤ! کل میرے پاس آنا۔ جب اگلے دن صبح کو وہ دونوں حضور ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے ان کو بتایا کہ اللہ نے فلاں مہینے کی فلاں رات میں کسریٰ پراس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا جس نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ان دونوں نے کہا کیا آپ سوچ سمجھ کر بول رہے ہیں؟ کیا یہ بات ہم باذان کو لکھ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لکھ دو اور اس کو یہ بھی کہہ دینا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے گا تو جتنا علاقہ اس کے قبضہ میں ہے سب اسے ہی دے دوں گا۔ پھر

آپؐ نے جدہ جمیرہ کو ایک پٹا دیا جو آپ ﷺ کو ہدیہ میں ملا تھا اور اس میں سونا چاندی تھی۔ ان دونوں نے یمن واپس آ کر باذان کو ساری بات بتائی۔ باذان نے کہا کہ اللہ کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا کلام نہیں معلوم ہوتا! جو کچھ انہوں نے کہا ہے ہم اس کی تحقیق کر لیتے ہیں۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد باذان کے پاس شیرویہ کا خط آیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے اہلِ فارس کی حمایت کے لیے غصہ میں آ کر کسریٰ کو قتل کر دیا ہے کیونکہ وہ اہلِ فارس کے شرفاء کو بلاوجہ قتل کرنے کو اپنے لیے درست سمجھتا تھا۔ اپنے علاقے کے تمام لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو اور جس آدمی (یعنی حضور ﷺ) کی گرفتاری کا کسریٰ نے تمہیں خط لکھا تھا۔ اب اس آدمی کو کچھ نہ کہو۔ جب باذان نے شیرویہ کا خط پڑھا تو اس نے کہا کہ یہ آدمی (یعنی حضور ﷺ) تو یقیناً اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور وہ بھی مسلمان ہو گیا اور یمن میں جتنے فارسی شہزادے رہتے تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ (۶۴)۔

حضرت زین بن ابی حبیبؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو شاہِ فارس کسریٰ بن ہرمز کے پاس بھیجا اور ان کو یہ خط لکھ کر دیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

''محمد رسول اللہ کی جانب سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا ہے۔ سلامتی ہو اس انسان پر جو ہدایت کی اتباع کرے! اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول (ﷺ) ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں دنیا کے تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہوا اللہ کا

رسول (ﷺ) ہوں تا کہ میں ہر زندہ انسان کو اللہ سے ڈراؤں اور حجت کافر پر ثابت ہو جائے۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو سلامتی پالو گے اور اگر انکار کرو گے تو تمام آتش پرست مجوسیوں (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ تم پر ہوگا"۔ (۶۵)۔

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو کسریٰ نے یمن اور اس کے آس پاس کے علاقۂ عرب کے اپنے گورنر باذان کو یہ پیغام بھیجا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارے علاقے میں ایک ایسا آدمی ظاہر ہوا ہے جو اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس سے کہہ دو یا تو وہ اس سے باز آجائے ورنہ میں اس کی طرف ایسا لشکر بھیجوں گا جو اسے اور اس کی قوم کو قتل کر ڈالے گا۔ روای کہتے ہیں کہ باذان کے قاصد نے یہ سارا پیغام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پہنچایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں نے دعوائے نبوت اپنی طرف سے کیا ہوتا تو میں اسے چھوڑ دیتا وہ تو مجھے اللہ عزوجل نے مبعوث فرمایا ہے اور اس کام پر لگایا ہے۔ وہ قاصد آپ ﷺ کے ہاں ٹھہر گیا۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا میرے رب نے کسریٰ کو قتل کر دیا اور آج کے بعد کسی کا لقب کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر کو قتل کر دیا اور آج کے بعد کسی کا لقب قیصر نہ ہوگا۔ چنانچہ قاصد نے وہ گھڑی، دن اور مہینہ لکھ لیا۔ جس میں آپ ﷺ نے یہ بات بتلائی تھی اور پھر وہ باذان کے پاس واپس چلا گیا تو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ واقعی کسریٰ مر چکا ہے اور قیصر بھی مر چکا ہے"۔ (۶۶)۔

حضرت وحیہ کلبیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا۔ جب وحیہ کلبیؓ حضور ﷺ کی خدمت میں واپس آئے تو کسریٰ کے صنعاء علاقے کے جو گورنر تھے ان کی طرف سے قاصد آئے ہوئے تھے اور کسریٰ نے صنعاء کے گورنر کو دھمکی آمیز خط لکھا تھا اور بڑے زور سے لکھا تھا کہ تم اس آدمی کا (یعنی حضور ﷺ) کا کام تمام کرو (نعوذ باللہ من ذلک) جو تمہارے علاقے میں ظاہر ہوا ہے اور مجھے اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ یا تو میں اس کا دین قبول کر لوں نہیں تو میں اس کو جزیہ دینے لگ جاؤں اگر تم نے اس کا کام تمام نہ کیا تو میں تم کو قتل کر دوں گا اور تمہارے ساتھ ایسا ویسا کروں گا چنانچہ صنعاء کے گورنر نے حضور ﷺ کے پاس پچیس آدمی بھیجے جن کو حضرت وحیہ کلبیؓ نے حضور ﷺ کے پاس موجود پایا جب ان کا نمائندہ حضور ﷺ کو خط سنا چکا تو حضور ﷺ نے ان کو پندرہ دن کچھ نہ کہا۔ جب پندرہ دن گزر گئے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے سامنے آئے۔ جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کو بلا لیا اور ان سے فرمایا کہ جا کر اپنے گورنر سے کہہ دو کہ آج رات میرے رب نے اس کے رب کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور اپنے گورنر کو ساری سرگزشت سنائی اس نے کہا کہ اس رات کی تاریخ یاد رکھو اور یہ بھی کہا کہ مجھے بتاؤ کہ تم نے ان کو (حضور ﷺ) کو کیسا پایا؟ تو انہوں نے کہا ہم نے ان سے زیادہ برکت والا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا وہ عام لوگوں میں بلا خوف وخطر چلتے پھرتے ہیں ان کا لباس معمولی اور سیدھا سادا، ان کا کوئی پہرہ دار اور محافظ نہیں ہے ان کے سامنے لوگ اپنی آواز بلند نہیں کرتے ہیں۔ حضرت وحیہؓ فرماتے ہیں کہ پھر یہ خبر آئی کہ کسریٰ ٹھیک اسی رات کو قتل کیا گیا جو رات آپؐ نے بتائی تھی۔ (۶۷)۔

تعلیم میں اعلیٰ معیار حاصل کرنے کے ذرائع:

سلیمان بن عبدالملک نے علم کی شان میں اپنے بیٹوں کے سامنے کوئی مبالغہ نہیں کیا بلکہ ان کو حقیقت ہی بتلائی۔ کیونکہ عطاء ابن ابی رباحؒ بچپن میں مکہ کے اندر ایک عورت کے مملوک غلام تھے یہ تو اللہ تعالیٰ نے اس حبشی غلام کو عزت اور شرف عطا کیا کہ بچپن ہی سے علم کا شوق ان کے دل میں پیدا کیا اور وہ بچپن ہی سے علم سیکھنے کے راستے پر چلنے لگے۔ انہوں نے اپنا وقت تین حصوں پر تقسیم کیا تھا۔ ایک حصہ تو اپنے آقا کی خدمت کے لیے متعین کیا تھا اور اس میں آقا کی خدمت بہتر سے بہتر انداز میں کیا کرتے تھے اور اس کے جو حقوق تھے وہ مکمل ادا کرتے تھے۔ اور ایک حصہ اپنے پروردگار کے لیے متعین کیا تھا، اس میں عبادت کے لیے اپنے آپ کا فارغ کرتے تھے اور ذہن ایک طرف کر کے مکمل اخلاص کے ساتھ اپنے ربّ کی عبادت کرتے تھے۔

اور ایک حصہ طلب علم اور حصول علم کے لیے متعین کیا تھا کہ اس میں حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں سے جو زندہ تھے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرتے اور ان کے گہرے صاف شفاف حوضوں سے سیراب ہونے لگتے (یعنی ان صحابہ کرامؓ کے پاس جا کر علم حاصل کرتے اپنی علمی پیاس بجھاتے)۔

چنانچہ بہت سارے صحابہ کرامؓ اجمعین سے انہوں نے روایت نقل کی ہیں، قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا، جن میں سے حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل ہیں۔

یہاں تک کہ قرآن وحدیث اور فقہ کے اعتبار سے ان کا سینہ علم سے بھر گیا، جب ان کی رسیدہ یعنی مالکہ نے دیکھا کہ ان کے غلام نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کو بیچ دی ہے اور اپنی زندگی طلب علم کے لیے وقف کر دی ہے تو اپنا حق (یعنی غلام کے ذمے آقا کی جو خدمت اور حقوق ہوتے ہیں) ان کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کی گردن آزاد کر دی (یعنی ان کو آزاد کر دیا) تاکہ اللہ تعالیٰ اس غلام سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچا دیں۔

اُسی دن سے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد حرام کو اپنا مسکن (یعنی اپنا ٹھکانہ) بنالیا۔

اُن کے رہنے کا گھر بھی یہی مسجد حرام۔

اُن کے علم حاصل کرنے کا مدرسہ بھی یہی۔

اُن کے نماز کی جگہ (مسجد) بھی یہی تھی،

جس میں تقویٰ اور اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے۔

یہاں تک کہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ بیس سال تک مسجد حرام ہی حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بچھونا رہا۔ اس طرح سے یہ جلیل القدر تابعی حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ علم میں بلند مقام اور اونچے درجے پر فائز ہو گئے اور انہوں نے وہ

بلند مرتبہ حاصل کیا جو اس دور کے لوگوں میں سے بہت کم لوگ حاصل کر سکے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عمرے کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو لوگ ان کی طرف بڑھے اور مسائل پوچھنے لگے تو انہوں نے فرمایا:

" انی لا عجب لکم یا أهل (مکه) ..... " .

ترجمہ: ''اے مکے والو! مجھے تو تم پر تعجب ہو رہا ہے۔''

" أتجمعون لی المسائل لتسا لونی عنها وفیکم عطاء بن ابی رباح " .

ترجمہ: ''کہ تم لوگ مجھ سے مسائل معلوم کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہو جب کہ تمہارے درمیان عطاء بن ابی رباح موجود ہے '' ۔

محمد بن سوقہ (جو کہ کوفہ کے اکابر علماء اور نیک لوگوں میں سے ہیں) ایک مرتبہ اپنی زیارت کے لیے آنے والوں سے فرمانے لگے کہ کیا میں آپ کو ایک ایسی بات نہ بتاؤں جو آپ کو بھی فائدہ پہنچا دے جیسے مجھے اس بات سے فائدہ پہنچا ہے؟ ان لوگوں نے کہا، آپ ضرور بتایئے!

فرمایا کہ ''ایک دن عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ فضول باتوں کو ناپسند کرتے تھے'' (برا سمجھتے تھے) تو میں نے پوچھا کہ کس بات کو فضول سمجھتے تھے، یعنی ان کے نزدیک فضول کلام کیا تھا؟

تو عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

" کانو یعدون کل کلامٍ فضولاً ما عدا کتاب الله عزوجل أن یقرأ ویفهم ..... " .

وحدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم أن یُروی ویدری .....

أو امرا بمعروف ونهیاً عن منکر .....

أو علماً یتقرب به الی الله تعالیٰ .....

أو أن تتکلم بحا جتك ومعیشتك التی لا بد لك منها " .

کہ وہ پانچ قسم کے کلام کے علاوہ باقی ہر کلام کو فضول (یعنی بے فائدہ) شمار کرتے تھے، وہ پانچ قسم کے کلام یہ ہیں۔

(۱) ..... قرآن کریم جو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کو پڑھا جائے اور اس کو سمجھا جائے۔

(۲) ..... رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی روایت کی جائے اور ان کو سیکھا جائے۔

(۳) ..... ہر اچھائی بھلائی کی طرف لوگوں کو بلایا جائے اور برائی سے روکا جائے۔

(۴) ..... ایسا علم حاصل کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنے۔

(۵) ..... اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق بات کی جائے جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔

(ان پانچ باتوں کے علاوہ باقی تمام باتیں اور تمام کلام ان کے نزدیک ناپسندیدہ اور فضول تھے) پھر حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ میری طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو سمجھتے ہو۔

" ان علیکم لحافظین کراماً کاتبین " .

ترجمہ: " یقیناً تم پر حفاظت کرنے والے مقرر ہیں جو کہ معزز لکھنے والے ہیں (جو تمہارے ہر قول وعمل کو لکھتے ہیں) اور تم میں سے ہر ایک کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں " ۔

پھر حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ہمارا وہ اعمال نامہ جو صبح کے وقت لکھا گیا ہے وہ ہمارے سامنے کھول دیا جائے اور اس میں اکثر (اعمال واقوال کی) چیزیں ایسی ہوں کہ نہ تو دین کی باتوں اور دین کے کاموں سے ان کا تعلق ہو اور نہ دنیاوی معاملات سے، تو ہمارے لیے کتنی شرمندگی اور ندامت کی بات ہوگی۔

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کے علم سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی مختلف جماعتوں اور طبقوں کو نفع پہنچایا۔

ان میں اہلِ علم یعنی علماء کا مخصوص طبقہ بھی ہے۔

اور ارباب صنعت وحرفت (کاریگر اور کاروباری لوگ بھی ہیں)۔

اور ان کے علاوہ عام لوگوں نے بھی ان کے علم سے فائدہ اٹھایا۔

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

کہ ایک مرتبہ مناسک حج کے پانچ مسائل میں مجھ سے غلطی ہوئی جو مجھے مکہ مکرمہ کے ایک حجام (یعنی بال مونڈھنے والے) نے بتلا دیئے وہ ایسے کہ میں نے سر منڈھانے کا ارادہ کیا کہ احرام سے نکل جاؤں تو میں ایک حلاق (نائی) کے پاس آیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ کتنے میں میرے بال کاٹ لوگے؟ (یعنی اجرت معلوم کی)۔

تو اس نے کہا:

" هداك الله .....

لا یشارط فیه ، اجلس واعط ما یتیسرلك " .

ترجمہ: "اللہ آپ کو ہدایت دے عبادت میں اجرت کی شرط نہیں لگائی جاتی! تشریف رکھئے اور سہولت کے ساتھ جتنی اجرت دے سکیں اتنا ہی دے دیجئے! " ۔تو میں شرمندہ ہوکر بیٹھ گیا۔ (لیکن بیٹھنے میں بھی میں نے غلطی کی):

اور قبلہ سے رخ دوسری طرف موڑ کر بیٹھ گیا تو اس حجام نے مجھے اشارہ کیا کہ میں قبلہ کی طرف رخ کروں تو میں نے ایسا ہی کیا لیکن مجھے شرمندگی پر مزید شرمندگی ہوئی۔

پھر میں نے بائیں طرف سے آگے بڑھایا تاکہ وہ حلق کرے (یعنی سر کے بال مونڈھ دے) تو اس نے کہا کہ دایاں طرف

ادھر کرو تو میں نے دایاں طرف اس کی طرف کرلیا وہ میرا سر موڈھ رہا تھا اور خاموشی اور تعجب سے اس کو تکتا رہا۔

تو اس نے مجھے کہا: آپ خاموش کیوں بیٹھے ہیں؟ تکبیر پڑھتے رہیئے! میں نے تکبیر کہنی شروع کی یہاں تک کہ جب فارغ ہوکر میں اٹھا اور جانے لگا تو اس نے کہا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اپنے سامان اور مکان کی طرف جارہا ہوں،

تو اس نے کہا: پہلے دو رکعت نماز پڑھیئے! پھر جہاں جانا چاہیں جائیں۔ میں نے دو رکعتیں پڑھیں اور اپنے دل میں کہا حجام تو ایسا ہی ہونا چاہیئے جو عالم بھی ہو۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ:

''آپ نے جو مسائل مجھے بتائے یہ آپ نے کہاں سے سیکھے؟'' وہ کہنے لگا میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا ہی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے سیکھ لیے اور اب میں لوگوں کو اس طرح بتلاتا ہوں۔(۶۸)۔

تعلیم کے حصول پر خرچ کرنا: (چالیس ہزار دینار علم پر خرچ کرنا):

(۳۰۳) ذھبی کی ''میزان الاعتدال'' میں اور ''تذکرۃ الحفاظ'' میں محدث شام نابغہ روزگار امام اسماعیل بن عیاش الحمصی (ولادت ۱۰۶ھ وفات ۱۸۲ھ رحمہ اللہ) کی سوانح میں آیا ہے۔

کہ یہ منصور کے پاس گئے انہوں نے ان کپڑوں کے ایک گودام پر نگران مقرر کیا۔ بہت ذی محتشم عقل مند اور سخی تھے یہ عامل علماء میں سے تھے، قدماء میں اعمش اور بہت سارے دوسرے حضرات نے ان سے روایت کی ہے۔ ابوالیمان کہتے ہیں کہ اسماعیل ہمارے پڑوسی تھے۔ یہ رات کو جاگتے رہتے تھے، بعض دفعہ قرأت کرتے کرتے رک جایا کرتے تھے، یعنی نماز ختم کردیتے، پھر نماز شروع کرتے، میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ مجھ کو کسی باب کی حدیث یاد آجاتی ہے تو میں نماز چھوڑ کر اس میں تعلیق کرتا ہوں، پھر نماز شروع کردیتا ہوں، یحییٰ بن صالح کہتے ہیں کہ میں نے اسماعیل کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ کو والد سے میراث میں چالیس ہزار دینار ملے جو میں نے طلب علم پر خرچ کیے۔ (۶۹)۔

علم کے لیے گھر فروخت کرنا:

(۳۰۴) تہذیب التہذیب، میں زیاد عبداللہ بن الطفیل البکائی الکوفی کی سوانح میں آیا ہے کہ یحییٰ بن آدم نے ابن ادریس عبداللہ بن ادریس الاودی الکوفی سے نقل کیا کہ ابن اسحاق کے بارے میں ان سے زیادہ ثقہ کوئی نہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ابن اسحاق سے دو مرتبہ املاء کی ہے صالح بن محمد جن کا لقب جزرہ ہے کہتے ہیں کہ ابن اسحاق کی کتاب ''المغازی'' زیاد سے زیادہ صحیح کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے کہ زیادہ اپنا گھر فروخت کرکے ابن اسحاق کے ساتھ ہوگئے تھے اور اس وقت تک ان کے ساتھ پھرتے رہے جب تک ان سے سماع مکمل نہ کرلیا تھی۔ زیاد ۱۸۳ھ میں فوت ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (۷۰)۔

امام محمد کا علم پر خرچ:

(۳۰۵) خطیب کی تاریخ بغداد اور ملا علی قاری کی ''ذیل الجواہر المضیۃ'' میں امام فقیہ مجتہد محمد بن حسن الشیبانی الکوفی امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد (ولادت ۱۳۲ھ وفات ۱۸۹ھ رحمہ اللہ) کے بارے میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ میرے والد نے میرے لیے تیس ہزار درہم کا ترکہ چھوڑا تھا میں نے پندرہ ہزار نحو اور شعر پر خرچ کیے اور پندرہ ہزار حدیث اور فقہ پر۔ (۷۱)۔

ایک ہزار مثقال کا خرچ:

(۳۰۶) قاضی عیاض کی ''ترتیب المدارک'' اور ذھبی کی ''سیر اعلام النبلاء'' میں امام ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم العتقی المصری رحمہ اللہ کے بارے میں آیا ہے۔ ابن وضاح کہتے ہیں کہ ابن القاسم نے امام مالک کی طرف سفر کرنے پر ایک ہزار مثقال خرچ کیے تھے، ذھبی کہتے ہیں کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ ابن القاسم نے کہا کہ میں بارہ مرتبہ حجاز گیا ہوں اور ہر مرتبہ ہزار دینار خرچ کئے۔ (۷۲)۔

طلب علم اور نشر علم پر خرچ:

(۳۰۷) ذھبی کی ''تذکرہ الحفاظ'' میں امام ھشام بن عبیداللہ الرازی (متوفی ۲۲۱ھ فقیہ الحنفی کی سوانح میں آیا ہے کہ وہ امام حافظ، ناقد، محدث، بخاری، رحال، جوال، ابوعبداللہ محمد بن واصل اور ماوراء النھر کے خلق کثیر نے روایت کی ہے یہ علم اور حدیث کے خزانہ تھے۔ (۷۳)۔

محمد ابن یوسف سمرقندی نے محمد بن مبشر الکرینی سے روایت ہے کہ محمد بن سلام البیکندی کا قلم شیخ کی مجلس میں ٹوٹ گیا تو انہوں نے آواز لگائی کہ قلم ایک دینار میں ہے تو ہر طرف سے ان کی طرف قلمیں اڑ کر آنے لگیں۔

سھل بن متوکل کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سلام کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے طلب علم پر چالیس ہزار خرچ کیے اور نشر علم پر بھی چالیس ہزار خرچ کیے۔ (۷۴)۔

ایک باب کے حفظ کے لیے اسی ہزار درہم خرچ کرنا:

(۳۱۰) حافظ ذھبی کی ''معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار'' میں اور ابن الجزری کی ''غایۃ النھایہ فی طبقات القراء'' میں قاری محدث، عابد، فاضل، امام، مسلم، ابوداؤد، ابراہیم الحربی کے شیخ خلف بن ھشام الاسدی، البزار، البغدادی (ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۲۹ھ) رحمہ اللہ، کی سوانح میں آیا ہے۔

کہ حمدان بن حانی کہتے ہیں کہ میں نے خلف بن ھشام کو کہتے ہوئے سنا کہ نحو کا ایک باب مجھ کو مشکل لگا تو اس کے ازبر حفظ کرنے کے لیے میں نے اسی ۸۰ ہزار درہم خرچ کیے۔

(۳۱۱) امام یحییٰ بن معین کے بارے میں یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ ان کے والد نے ایک لاکھ پچاس ہزار درہم چھوڑے

تھے وہ تمام انہوں نے طلب علم پر خرچ کیے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس پہننے کے لیے جوتا بھی نہ رہا تھا۔

گھر فروخت کر کے بیٹے کو سماع کے لیے بھیجنا:

(۳۱۲) امام مزی کی ''تہذیب الکمال'' اور ذھبی کی ''معرفۃ قراء الکبار'' میں خطیب وقاری دمشق، محدث، عالم، المعمر، زاہد، بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ان کے علاوہ ایک امت کے شیخ ابوالولید، ھشام بن عمار، السلمی الدمشقی (ولادت ۱۵۳ھ وفات ۲۴۵ھ رحمہ اللہ) کی سوانح میں آیا ہے۔

ابوبکر محمد بن سلیمان الربعی نے محمد بن الفیض الغسانی سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ھشام بن عمار بن نصیر کو کہتے ہوئے سنا کہ میرے والد نے اپنا گھر بیس دینار میں فروخت کر کے مجھ کو حج کے لیے تیار کیا۔ جب میں مدینہ پہنچا تو مالک بن انس کی مجلس میں گیا۔ میں ان سے کچھ مسائل معلوم کرنا چاہتا تھا۔ میں جب ان کے گھر گیا تو وہ بادشاہوں کی سی وضع قطع سے بیٹھے ہوئے تھے۔ غلام کھڑے تھے۔ لوگ ان سے مسائل پوچھ رہے تھے اور وہ جواب دے رہے تھے۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو بعض اصحاب حدیث نے مجھ کو کہا کہ آپ اپنے مسائل پوچھیں، میں نے ان کو کہا ابوعبداللہ آپ فلاں مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، تو انہوں نے کہا اچھا اب ہم بچوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں اور غلام کو حکم دیا کہ اس کو اٹھالو۔ انہوں نے مجھ کو بچوں کی طرح اٹھالیا۔ میں سمجھ بوجھ رکھنے والا لڑکا تھا۔ مجھے اس نے استادوں کے درّے سے ستر درّے لگائے۔ میں رونے لگا۔ مجھ کو مالک بن انس نے کہا کیوں رو رہے ہو۔ کیا اس دُرّے سے تم کو تکلیف ہوگئی۔ میں نے کہا کہ میرے والد نے اپنا گھر فروخت کر کے مجھ کو آپ سے سماع کا شرف حاصل کرنے کے لیے بھیجا اور آپ نے مجھ مارا، پھر فرمایا کہ لکھو، انہوں نے سترہ حدیثیں بیان کیں اور میں نے جو مسائل پوچھے تھے ان کا جواب دیا۔ (۷۵)۔

پندرہ دُرّے اور پندرہ حدیثیں:

حافظ جزرہ صالح بن محمد کہتے ہیں کہ میں ھشام بن عمار کو کہتے ہوئے سنا کہ میں مالک بن انس پاس گیا میں نے ان کو کہا مجھ کو حدیثیں بیان کرو۔ انہوں نے کہا پڑھو، میں نے کہا نہیں بیان کریں۔ انہوں پھر کہا تم پڑھو، میں نے پھر جواب دیا تو انہوں نے غلام کو کہا کہ اس کو لے جا کر پندرہ دُرّے لگاؤ۔ انہوں نے مجھ کو پندرہ دُرّے لگائے۔ پھر لے آئے اور کہا ہم نے پندرہ دُرّے لگا دیے۔

میں نے کہا کہ آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے کہ بغیر جرم کے پندرہ دُرّے لگا دئے ہیں میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ امام مالک نے کہا کہ پھر اس کا کفارہ کیا ہے، میں نے کہا اس کا کفارہ یہ ہے کہ آپ مجھ کو پندرہ حدیثیں بیان کریں۔ جب انہوں نے پندرہ حدیثیں بیان کیں تو میں نے کہا کہ مجھ کو اور ماریں اور حدیثیں بیان کر دیں امام مالک ہنس پڑے اور فرمایا چلے جاؤ۔

ڈیڑھ لاکھ درہم خرچ کرنا:

(۳۱۳) ذھبی کی ''تذکرہ الحفاظ'' میں امام شیخ الاسلام حافظ نیشاپور۔ ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد نیشاپوری الذھلی۔ بنوذھل کے مولیٰ کے احوال میں لکھا ہے۔

کہ خراسان میں وہ علم شیخ ہوئے۔ وہ ثقہ تھے۔ دین اور متابعت سنن کی حفاظت کرنے والے تھے۔ محمد بن سھل بن عسکر نے کہا کہ ہم امام احمد بن حنبل کے پاس تھے۔ تو محمد بن یحییٰ الذھلی تشریف لائے۔ تو امام احمد ان کے لیے کھڑے ہو گئے لوگوں کو تعجب ہوا۔ انہوں نے اپنی اولاد اور احباب کو کہا کہ ذھلی کے پاس جا کر اس سے علم لکھو۔ ابوبکر بن ابی داؤد نے کہا کہ یہ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔

حسین بن حسین بن سفیان کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یحییٰ الذھلی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے تین سفر کیے اور میں نے تحصیل علم پر ایک لاکھ پچاس ہزار درہم خرچ کیے۔ میں بصرہ آیا تو شہر کے دروازے کے سامنے یحییٰ القطان کا جنازہ آیا، یحییٰ القطان رحمہ اللہ کی وفات صفر ۱۹۸ھ میں ہوئی۔

(۳۱۴) ذھبی کی ''تذکرہ الحفاظ'' میں امام محمد بن سنجر (متوفی ۲۵۸ھ) کی سوانح میں الحافظ الکبیر ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن سنجر الجرجانی ''صاحب المفند'' کے الفاظ کے ساتھ تذکرہ آیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے کہا کہ ابن سنجر ثقہ ہیں۔ ابن سنجر کہتے ہیں کہ میں نے سفر کیا اور میرے ساتھ امام احمد کے شاگرد امام فقیہ ابویعقوب اسحاق بن منصور المروزی المعروف اسحاق الکوسج تھے۔ میرے پاس نوے ۹۰ ہزار دینار تھے۔ اسحاق میرے لیے احادیث لکھا کرتے تھے اور ہر شہر میں شادی کیا کرتے تھے اور ان کا مہر ادا کیا کرتا تھا۔ مصر کے علمدار کے شہر قطایہ میں ابن سنجر نے اقامت اختیار کی اور وہیں فوت ہوئے۔

تین مٹکے سونا علم کے لیے خرچ کرنا:

(۳۱۵) امام ذھبی کی ''سیر اعلام النبلاء'' میں امام یعقوب بن شیبہ السدوسی البصری البغدادی (ولادت ۱۸۰ھ وفات ۲۶۲ھ رحمہ اللہ) کی سوانح میں یہ تعریفی الفاظ درج ہیں۔

الحافظ الکبیر العلامہ، الثقہ، صاحب المسند الکبیر، العدیم النظیر، ان کی مسانید کی تیس جلدیں مکمل ہوئیں۔ اگر ان کی مسانید مکمل ہو جائیں تو ایک سو جلدوں میں ہوتیں یہ سب سے پہلے صحابی کی مکمل سیرت کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان کی مروی احادیث ذکر کرتے ہیں اور علل احادیث کا تذکرہ کرتے ہیں، رجال پر بحث کرتے ہیں اور جرح وتعدیل کرتے ہیں۔ مفید، میٹھے اور شافی انداز سے کلام کرتے ہیں۔ کہ دیکھنے والا اکتاتا نہیں۔

امام ابوالحسن الدارقطنی نے فرمایا کہ اگر یعقوب بن شیبہ کی کتاب حمام پر لکھی ہو تو تب بھی اس کا نقل کرنا واجب ہے، یعنی اگر کسی غیر محترم جگہ پر بھی یہ کتاب لکھی ہوئی ہو تو پھر بھی اس کا لکھنا واجب ہے اس کو چھوڑا نہیں جائے گا اور کوئی بھی شخص سماع کا محتاج نہیں۔

خطیب نے کہا ہے کہ انہوں نے مسند ابو ہریرہ کے ایک نسخہ کا مصر میں مشاہدہ کیا ہے جو دو سو اجزاء پر مشتمل تھا۔ ذھبی نے مسند عشرہ۔ مسند ابن مسعود، مسند عمار، مسند عباس، مسند عتبہ بن غزوان اور بعض موالی کی مسانید کا مشاہدہ کیا اور پانچ جلدوں میں مسند علی کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔

خطیب کہتے ہیں کہ مجھ کو زہری نے بیان کیا کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ یعقوب بن شیبہ کے گھر پر چالیس لحاف تھے۔ یہ لحاف انہوں نے لکھنے والوں کے لیے رکھے تھے جو ان کے مصحف کی تبییض کیا کرتے تھے۔ اور اس پر انہوں نے دس ہزار دینار خرچ کیے تھے، ذھبی نے کہا ہے کہ یعقوب بہت مال والے صاحب حشمت وحرمت تھے۔ انہوں نے اپنے پوتے کو کہا کہ جب میری ولادت ہوئی تھی تو میرے والدین نے میرے لیے تین مٹکے سونے کے بھر کر رکھ لیے تھے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ ان کی عمر لمبی ہوئی اور وہ تمام ختم ہوا اور یہ محتاج بھی ہو گئے تھے۔

تین لاکھ درہم خرچ کرنا:

(۳۱۶) حافظ ابونعیم اصفہانی کی کتاب ''ذکر اخبارا صفہان'' میں ابو جعفر المدینی احمد بن محمد بن مھدی بن رستم (متوفی ۲۷۰ھ) کے احوال میں آیا ہے کہ انہوں نے شام، مصر، عراق میں کتابت کی اور مسند کی تصنیف کی۔

ابو محمد بن حیان کہتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ بن مندہ نے کہا کہ ہمارے ملک میں چالیس سال کے عرصہ میں ان سے زیادہ ثقہ شخص نے حدیث بیان نہیں کی، یہ بہت مال والے اور صاحب جائیداد تھے اور اصفہان میں ان سے زیادہ احادیث جاننے والا کوئی نہ تھا۔ صحاح کے اصول اور بہت سی کتب کے مصنف تھے۔ اس پر انہوں نے تقریباً تین لاکھ درہم خرچ کیے۔ بہت صلہ اور اجتہاد والے تھے۔ ان کی کتب سے قبیصہ کی کتاب گم ہو گئی تھی۔ پھر وہ کتاب ان کو واپس لوٹائی گئی لیکن انہوں نے پھر اس کی روایت کرنا چھوڑ دی تھی، اس احتیاط کی وجہ سے کہ کسی متصرف نے اس میں تصرف نہ کیا ہو۔

(۳۱۷) قاضی عیاض کی ''ترتیب المدارک'' میں ابوزکریا یحییٰ بن عمر بن یوسف بن عامر الکنانی الاندلسی (ولادت ۲۱۳ھ وفات ۲۸۹ھ رحمہ اللہ) کی سوانح میں آیا ہے۔

کہ اندلسی اصل بنیان میں سے تھے قرطبہ میں پلے پوسے قیروان میں سکونت اختیار کی اور آخر میں سُوسَہ کو وطن بنایا۔ وہیں ان کی قبر ہے۔ ابن حبیب وغیرہ سے علم حاصل کیا اور مصر میں ابن بکیر، ابن رمح اور حرملہ سے سماع کیا، ابن وھب، ابن القاسم اور اشھب کے اصحاب سے بھی سماع کیا۔

حجاز میں ابومصعب الزھری، نصر بن مرزوق، ابن کاسب، احمد بن عمران الاخنش وغیرہ سے بھی سماع کیا اور ان سے ان کے بھائی محمد، ابوبکر بن اللباد، ابوالعرب، عمر بن یوسف، ابوالعباس ابیانی اور احمد بن خالد الاندلسی نے فقہ حاصل کی۔ ان کے وقت میں سفر علم انہی کی طرف کیا جاتا تھا، ابوالعرب نے کہا ہے کہ آپ فقہ میں امام، ثقہ، سند، فقیہ النفس تھے، فقہ اور آثار میں آپ الکثیر الکتب تھے، اپنی مرویات کو ضبط میں رکھنے والے، ان مرویات کی کتب کے عالم، ان پر شدید اتقان اور ان کی صحیح صحیح کرنے والے تھے، ائمہ علم میں سے تھے۔ سحنون کے کبار اصحاب میں ان کا شمار ہوتا تھا، انہی سے فقہ حاصل کی اور سوسہ میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ۔

کتابیں نہ ملنے کی وجہ سے زمین فروخت کر کے سفر کرنا:

(۳۱۸) تاج السبکی کی ''طبقات الشافعیہ الکبریٰ'' میں فقیہ حافظ محدث امام ابومحمد عبدان بن محمد بن عیسیٰ المروزی جن کا زھد اور حافظہ ضرب المثل تھا، (ولادت ۲۲۰ھ وفات ۲۹۳ھ رحمہ اللہ) کی سوانح میں آیا ہے۔

ابوسعد بن اسمعانی نے کہا کہ ''عبدان'' وہ شخص ہیں جنہوں نے مَرْو میں احمد بن سیار کے بعد امام شافعی کے مذھب کو اجاگر کیا۔ احمد بن سیار نے ربیع مرادی سے مصر سے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتابیں مَرْو لے کر گئے اور لوگوں کو تعجب میں مبتلا کیا، ان میں سے بعض نے عبدان کی کتب دیکھیں وہ ان کو لکھنا چاہتے تھے لیکن احمد بن سیار نے ان کو اس سے منع کر دیا تو انہوں نے مَرْو کی بستی ''جنوجرد'' میں اپنی زمین فروخت کی اور مصر چلے گئے۔ وہاں وہ ربیع اور دیگر اصحاب شوافع سے ملے اور ان کی کتابوں کو انہوں نے نقل کیا۔ فقہاء اور مشائخ میں ایسے لوگوں سے ملیں جن سے دوسرے نہ مل سکے اور ان سے کتابیں نقل کیں۔ پھر شام اور عراق کی طرف سفر کیا اہل مصر سے انہوں نے کتابیں لکھیں اور مَرْو واپس آ گئے۔

احمد بن سیار ان کو سلام کرنے اور مبارکباد دینے کے لیے آئے اور ان کو کتابیں نہ دینے پر معذرت بھی کرنے کے لیے۔ تو عبدان نے ان کو کہا کہ معذرت نہ کریں بلکہ آپ نے تو مجھ پر اس بارے میں احسان کیا۔ اگر آپ مجھ کو کتابیں دے دیتے تو میں انہی پر اکتفا کر لیتا پھر میں مصر نہ جا سکتا اور اصحاب امام شافعی سے نہ مل سکتا، اس پر احمد بن سیار خوش ہو گئے۔ (۷۶)۔

لکھائی کی دس ہزار درہم اجرت:

(۳۱۹) ذھبی کی '' تذکرۃ الحفاظ'' حافظ مسند ابوعبداللہ محمد بن ایوب بن یحییٰ بن الضریس البجلی الرازی کتاب '' فضائل القرآن'' کے مصنف (ولادت ۲۰۰ھ وفات ۲۹۴ھ رحمہ اللہ) کے تذکرے میں آیا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ ہم نے محمد بن ایوب کو کہتے ہوئے سنا کہ آخری مرتبہ جب میں مصر آیا تو میں نے صرف لکھنے والوں کو دس ہزار درہم اجرت ادا کی۔

اسی ہزار درہم آٹھ ختموں پر خرچ کرنا:

(۳۲۰) ذھبی نے '' معرفۃ القراء الکبار'' میں ابوبکر اصفہانی محمد بن عبدالرحیم اپنے زمانہ کے شیخ القراء (متوفی ۲۹۶ھ رحمہ اللہ) کی سوانح میں آیا ہے۔

عبدالباقی بن الحسن بن السقاؔ نے کہا کہ محمد بن عبدالرحیم نے کہا کہ میں نے اصفہان سے مصر کا سفر کیا میرے پاس اسی ۸۰ ہزار درہم تھے جو میں نے آٹھ ختموں پر خرچ کئے۔ یعنی ایک قرأۃ کے شیخ سے ایک مرتبہ ختم کیا پھر دوسرے قرأۃ کے شیخ سے اس طرح آٹھ مرتبہ ختم کیا اور اسی ۸۰ ہزار درہم خرچ کئے۔ (۷۷)۔

(۳۲۱) خطیب کی ''تاریخ بغداد'' اور سمعانی کی ''الانساب'' میں ابوبکر بن جعفر بن رَمیس بن عمر والقصر ی البغدادی (متوفی ۳۲۶ھ رحمہ اللہ) کی سوانح میں آیا ہے۔

قَصری، قصر بن ہبیرہ جو بغداد کی عمل داری میں ہے کی نسبت کی وجہ سے، ابن رمیس بغدادی تھے پھر قصر بن ہبیرہ آئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔ اس کی طرف ان کی نسبت کی گئی۔ ابوالحسن الدارقطنی نے ان سے روایت کی کہ ابن رَمیس نے کہا کہ میں نے بغداد میں لوہاروں کا چبوترہ تین ہزار دینا میں فروخت کیا اور یہ تمام رقم حدیث پر خرچ کی۔

تعلیم وتربیت کے لیے ماحول کی تبدیلی ضروری ہے:

رسول اللہ ﷺ کے سامنے صرف مکہ کی اصلاح کا کام نہیں تھا بلکہ پوری کائنات اور موجودہ وآئندہ نسلوں کی اصلاح آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی اور جتنے افراد مسائل وتکالیف کو برداشت کر کے اس وقت تیار ہوئے تھے وہ پورے عالم کی ہمہ گیر اصلاح کا کام پورا نہیں کر سکتے تھے۔

لہٰذا اس مکتبہ فکر کے ہر تربیت یافتہ شخص پر یہ فرض کر دیا گیا کہ وہ اپنے ماحول کو بدلنے کی پوری کوشش کرے اور ہر وہ تدبیر اختیار کرے جو اس ماحول کو ڈھالنے کے لیے ضروری ہو۔

اس لیے قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ نے ہر شخص پر یہ ذمہ داری عائد کر دی وہ جس طرح اپنے عمل کی اصلاح کی فکر کرے اسی طرح اپنے اہل وعیال اور خاص دوستوں کی اصلاح کے لیے بھی ایسی ہی کوشش کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

'' قوا نفسکم واھلیکم نارا '' ۔ (۷۸)۔

'' اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ '' ۔

'' کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ الامام راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع فی اھلہ ومسئول عن رعیتہ والمراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئلۃ رعیتھا '' ۔ (۷۹)۔

'' تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام ذمہ دار ہے اور اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہے۔ آدمی ذمہ دار ہے اور اپنے گھر والوں کی بارے میں جوابدہ ہے۔ عورت اپنے خاوند کے گھر میں ذمہ دار ہے اور اپنے رعیت کے متعلق جوابدہ ہے '' ۔

اہل وعیال کی اصلاح کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ ابتدا سے نومولود کے قلب ودماغ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے موثر اور فطری اصول بتائے ہیں کہ ان کی وجہ سے بغیر کسی مشقت کے بچہ کی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کا ذہنی اور اخلاقی ارتقاء خود بخود ہوتا چلا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلا کام جو بچے کی پیدائش پر والدین پر لازم کیا وہ یہ کہ اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے ۔ (۸۰)۔

کم عقل لوگ تو یہی کہیں گے کہ اتنے چھوتے بچے کے کان میں عربی جملے ڈالنے سے کیا فائدہ؟ لیکن حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ درحقیقت ایمان کا بیج ہے، جو کان کے راستے سے بچے کے دل میں ڈالا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرا کام والدین کا یہ ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھا جائے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا:

"تدعون یوم القیامة باسماء کم واسماء آباء کم فاحسنوا اسماء کم".

''قیامت کے دن تمہیں اپنے اور اپنے والد کے نام سے پکارا جائے گا۔ پس اپنے نام اچھے رکھو''۔ (۸۱)۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ بچے کا عقیقہ کیا جائے۔ (۸۲)۔

جب بچہ زبان کھولنے لگے تو سب سے پہلے ''اللہ'' کا نام سکھانا چاہئے ۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

'' اپنے بچوں کی زبان کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' سے کھلواؤ اور یہی کلمہ موت کے وقت کی ذات اور واحدانیت سے آشنا ہوجاتے ہیں۔ (۸۳)۔

گویا دنیا میں دخول وخروج اسی کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' ہی کے ساتھ ہونا چاہئے ۔ پھر جب بچہ سمجھنے بوجھنے کے قابل ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت اس کے دل نشین کرو اور سنت کے مطابق ادب وتہذیب سکھاؤ۔ بچے کے سامنے جھوٹ بولنے، غیبت کرنے سے خود بھی پرہیز کرو کہ بچہ بُری خصلتوں کا عادی نہ ہوجائے۔ بچے کے ہاتھ سے اچھے کاموں میں خرچ کراؤ کہ بخل اس کی طبیعت میں جگہ نہ پائے۔ بچپن سے ہی اچھی تربیت والدین کا فرض ہے۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص اپنے بیٹے کو لایا کہ وہ اس کا ادب واحترام نہیں کرتا۔ اس لڑکے سے حضرت عمرؓ نے پوچھا تو اس نے سوال کیا کہ کیا میرے (یعنی اولاد کے) فرائض ہیں یا حقوق بھی ہیں؟۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں! اولاد کے حقوق بھی ہیں کہ اچھی

اولاد کے لیے اچھی بیوی کا انتخاب کرے۔ اس بچے نے کہا: ''میرے والد نے ایک حبشی عورت سے شادی کی ہے۔'' اس کے باپ نے غصے سے کہا ''او حبشن کے بچے!'' تو بچے نے کہا، وہ حبشن آپ سے اچھی ہے، اس نے شوہر کا بہتر انتخاب کیا، لیکن آپ نے بیوی کا انتخاب نہ کیا۔ پھر بچے نے مزید اپنے حقوق کے متعلق پوچھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ پیدائش پر نام اچھا رکھنا، بچے نے کہا کہ اس نے میرا ''بجو'' نام رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ پھر حیران ہوئے۔ بچے نے پھر پوچھا تو حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اولاد کی تربیت اچھی کرنا اور اچھی صحبت میں رکھنا۔ اس نے بتایا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، اس نے مجھے چرواہوں میں چھوڑ دیا ہے، جو کچھ ان سے سنتا ہوں، وہی کچھ کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اس بچے کے باپ کو بہت ڈانٹا ''۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"ما نحل والد ولد امن نحل افضل من ادب حسن " . (۸۴).

''کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی دولت نہیں بخشی''۔

آنحضرت ﷺ نے ہر گھر کو ایک تربیت گاہ بنا دیا۔ جس میں ہر چھوٹا بڑا نہ صرف آداب انسانیت جانتا تھا بلکہ عملاً اس کا عادی تھا۔ اصلاحِ اخلاق کے اس پروگرام کو آنحضرت ﷺ نے جلسے، جلوسوں اور بڑی بڑی کانفرنسوں سے نہیں بلکہ فطری اصولوں پر قائم کیا۔

اسلام کے نظامِ تعلیم وتربیت پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک سرسری نظر اس پر ڈالئے جو آج کی دنیا میں محکمہ تعلیم اور اس کے دفاتر، ان میں کام کرنے والے لوگوں کی تعداد اور پرائمری اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک جو تعلیمی جال پھیلا ہوا ہے، اس کی وسعت اور اس پر کروڑوں روپے خرچ اور اس خرچ کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے والوں کے تعلیمی مصارف کا بارگراں اور ان سب کے باوجود اس کے نتائج وثمرات کہ جو بھی علم وفن ان کو پڑھایا جاتا ہے، اس کی استعداد فیصدی کتنے آدمیوں میں ہوتی ہے اور یہ تعلیم ان کی اخلاق وکردار کو کیسا بناتی ہے؟

اس کے بعد حضرت محمد ﷺ کے دیئے ہوئے نظامِ تعلیم کو دیکھئے وہ کس طرح فطری اور سہل وسادہ اصولوں پر مبنی ہے، جس میں حکومت کا بھی کوئی بہت بڑا خرچ نہیں اور طالب علم پر تو ایک روپے کا بھی بار نہیں۔ اس کی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان کا گھر بچوں کے لیے پرائمری اسکول ہے۔ جس میں غیر شعوری طور پر بچے ہوش سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ضروری تعلیم حاصل کرتے جاتے ہیں۔

جب بچہ سات سال کا ہو جاتا ہے تو فطری طور پر اس میں پاکی وناپاکی کی تمیز ہونے لگتی ہے اور اس وقت ماں باپ کے لیے حکم ہے کہ اس کو نماز پڑھنا سکھائیں، مسجد میں ساتھ لے جائیں۔ عام مساجد، ثانوی مدارس کا کام انجام دیتی ہیں، جہاں ہر طرح کے اہل علم وفضل جمع ہوتے ہیں، ان کی صحبت سے بچے پر غیر شعوری طور پر علم وحکمت کے دروازے کھلتے ہیں، جو بہت سی

کتابیں پڑھنے سے بھی میسر نہیں آسکتے۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''مروا اولادکم بالصلاۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوا علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع''۔ (۸۵)۔

''بچوں کو نماز کا حکم دو، جب وہ سات سال کے ہوں اور جب دس سال کے ہوں تو ان کو مار کر نماز پڑھاؤ اور بستروں کو الگ کردو''۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں کو بھی اصلاح کی تعلیم دی جانی چاہئے۔

اسلام سے قبل لڑکی کی پیدائش باعثِ عار سمجھی جاتی تھی اور لڑکیاں زندہ درگور کردی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو آخرت میں جوابدہی کا سبب فرمایا ہے۔

" واذا المؤودۃ سئلت ٥ بای ذنب قتلت " . (۸۶).

''جب زندہ درگور کی گئی لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ ان کو کس گناہ کی وجہ سے قتل کیا گیا.....''۔

اسی طرح حضور انور ﷺ نے فرمایا:

''عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا وھو ھکذا ''۔ (۸۷)۔

''جس شخص کی دو لڑکیاں ہوں، وہ ان کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ جوان ہوجائیں تو قیامت کے دن وہ میرے ساتھ یوں ہوگا (دو انگلیاں ملا کر تشبیہ دی)''۔

عورت کی تربیت بہت زیادہ ضروری ہے، کیونکہ اگلی تمام نسل کا انحصار عورت کی تربیت پر ہوتا ہے۔

ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

"الام مدرسۃ ان اعددتھا اعددت شعبا طیب الاعراق" . (۸۸).

''ماں کی حیثیت ایک درسگاہ کی ہے اگر تم نے اس کو تیار کیا تو ایک پاکیزہ نسل کو تیار کیا''۔

من لی بتربیۃ النساء فانھا فی الشرق علۃ ذلك الاخناق " .(۸۹).

''کون میرے لیے عورتوں کی تربیت کی ضمانت دیتا ہے، کیونکہ مشرق میں ان کی تربیت نہ کرنا اس پستی کا سبب ہے''۔

والدین ہی بچے کی اصل تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا:

"کل مولود یولد علی الفطر فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ "

''ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین یا تو اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا عیسائی یا آتش پرست''۔ (۹۰)۔

والدین پر آنحضرت ﷺ نے یہ ذمہ داری ڈالی کہ وہ بچے کے سامنے جھوٹ نہ بولیں۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ کہتے ہیں، ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو میری والدہ نے مجھے بلا کر کہا میں تمہیں ایک چیز دیتی ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے میری والدہ سے پوچھا: تم اسے کیا چیز دیتی ہو، تو اس نے کہا ایک چھوہارا۔ فرمایا! اگر تم کچھ نہ دیتیں تو ایک جھوٹ تمہارے حساب میں لکھا جاتا۔ (۹۱)۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اولاد میں مساوات رکھنے کا حکم دیا تا کہ کوئی بچہ کم توجہی کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔

مثال کے طور پر حضرت نعمان بن بشیر کے والد نے ان کو کچھ دیا تو اس کی والدہ نے کہا کہ اس پر آنحضرت ﷺ کو گواہ بنا لو۔ چنانچہ جب ان کے والد نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اپنی باقی اولاد کو بھی ایسے ہی دیا ہے۔ اس نے کہا نہیں، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اولاد کے ساتھ انصاف کرو، کیا تم اس ظلم میں مجھے گواہ بنانا چاہتے ہو۔ (۹۲)۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے: ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھا تھا، اس کا لڑکا آیا تو اس نے اس کا بوسہ لیا اور زانوں پر بٹھالیا، پھر اس کی بیٹی آئی تو اس نے اسے سامنے بٹھالیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم نے دونوں کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کیا۔ (۹۳)۔ آنحضور ﷺ خود حضرت فاطمہؓ سے بہت محبت کرتے تھے۔ جب تک کسی سفر پر جاتے تو ان کو آخر میں مل کر جاتے اور آتے تو ان کو آ کر ملتے۔ حضرت فاطمہؓ کی ہر چیز آنحضرت ﷺ سے مشابہ تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"ما رایت احدا کان اشبه سمتاً وهدیا ودلاً وکلا ما برسول الله من فاطمة " . (۹۴)

''میں نے حضرت فاطمہؓ سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے مشابہ عادت وخصلت، نشست وبرخاست اور بات چیت میں کس کو نہیں دیکھا''۔

غرض حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کی تربیت کا اعلیٰ نمونہ تھیں۔

حفیظ جالندھری نے کہا:

''چلی تھی باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی پہنے حیا کی چادریں، عصمت کے جامے، صبر کے گہنے ''۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ اپنی نواسی امامہؓ کو نماز میں اٹھا لیتے، جب رکوع میں جاتے تو اس کو اتار دیتے۔ (۹۵)۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسنؓ کو چوما تو اقرع بن حابس نے حضور اکرم ﷺ سے کہا: میرے دس بیٹے ہیں میں نے کسی کو نہیں چوما تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''من لا یرحم لا یرحم''۔ (۹۶)۔

''جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا''۔

آنحضور ﷺ کا طریقہ تربیت:

اب ہم ان نکات کا جائزہ لیتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کردار سازی میں پیش نظر رکھتے تھے۔

آنحضور ﷺ کے طریق تربیت میں حکمت ودانائی تھی، آپ ﷺ موقع محل کے مطابق کسی کی غلطی پر براہِ راست متنبہ نہیں فرماتے تھے، تاکہ مخاطب لوگوں میں اپنی ہتک نہ تصور کرے۔

جب کچھ لوگوں کے غیر اسلامی طریق کار حضور ﷺ کے علم میں آئے تو حضور ﷺ نے اجتماعی طور پر خطاب کرتے ہوئے اس غلط طرزِ فکر کی اصلاح فرمادی اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ عام حضرات کے سامنے بھی اسلام کا صحیح طرزِ فکر آگیا۔ اگر کبھی اس بات کی ضرورت ہوتی کہ غلطی پر فوراً براہ راست متنبہ کردیا جائے تو تنہائی میں نہایت دل سوزی اور محبت کے انداز میں سمجھاتے تاکہ مخاطب کسی احساس کمتری کا شکار ہوئے بغیر اپنی اصلاح کرے۔

دعوت تربیت کے سلسلہ میں ایک خاص حکمت یہ بھی رہی کہ زیادہ لمبی بات اور اکتا دینے والے وعظ سے گریز کرتے۔

آپ ﷺ کا انداز لوگوں کے ساتھ کس قدر محبت آمیز تھا اس کا اندازہ حضرت انسؓ کے بیان سے لگایا جاسکتا ہے وہ کہتے ہیں:

''میں دس برس تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا مگر آپ ﷺ نے کبھی اُف تک نہ کہا۔ جو کام میں نے جس طرح کردیا، آپ ﷺ نے نہیں فرمایا کہ ''یہ کیوں کیا؟'' اگر کوئی کام نہ کرسکا تو یہ نہیں فرمایا (یہ کیوں نہیں کیا؟) آپ ﷺ کا کنیزوں اور خادموں کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا۔ آپ ﷺ نے ان میں سے کبھی کسی کو نہیں مارا''۔

نبی کریم ﷺ وقت کی کمی کے باعث بات مختصر کرتے تھے اور آپ ﷺ کو جامع کلمات عطا کیے گئے تھے۔ حضور ﷺ مزاج ونفسیات کے علاوہ جذبات اور احساسات کا بھی لحاظ فرماتے تھے۔

حضور ﷺ ہر بات مناسب موقع پر کرتے تھے اور اچھے کام پر صحابہ کرامؓ کی تعریف کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔

بعض اوقات حضور ﷺ اپنی بات اشاروں اور پرانی قوموں کے واقعات سے واضح کرتے تھے۔ شگفتہ مزاجی اور نرمی حضور ﷺ کی گفتگو کا حصہ تھی۔ لوگوں کو ڈانٹ اور شدت کی بجائے انتہائی نرمی اور صبر وتحمل سے سمجھاتے تھے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ اہم بات یہ کہ حضور اکرم ﷺ ہر کام کا نمونہ پیش کرتے تھے، یعنی جو بات صحابۂ کرامؓ کو سمجھاتے وہ خود عملی طور پر کرکے دکھاتے تھے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان نکات کی روشنی میں نئی نسل کی اصلاح وتربیت کا کام انجام دیا جانا چاہئے۔

حوالہ جات:

(۱) الاحزاب: ۱۲

(۲) آل عمران: ۱۵۹

(۳) ابوداؤد سلمان بن الاشعث السجستانی: کتاب السنن، رقم الحدیث: ۴۸۳۹

(۴) مشکوۃ، باب العلم حدیث: ۱۹۷

(۵) جمع الفوائد۔ رقم الحدیث: ۳۰۳۹

(۶) الفرقان: ۳۲

(۷) البقرۃ: ۲۱۹

(۸) النساء: ۴۳

(۹) البقرۃ: ۲۵۶

(۱۰) ایضاً: ۲۸۶

(۱۱) الغاشیہ: ۲۲،۲۱

(۱۲) سورۂ ق: ۴۵

(۱۳) البخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح ج۱،ص: ۲۶۴

(۱۴) بخاری جلد۱،ص:۱۶

(۱۵) ایضاً: جلد۱،ص: ۱۵۴

(۱۶) البخاری: ۱۰،۳۷۵، مسلم شریف رقم الحدیث: ۲۱۶۵

(۱۷) مسلم: رقم الحدیث: ۲۵۹۴

(۱۸) آل عمران: ۱۵۹

(۱۹) التوبہ: ۱۲۸

(۲۰) بخاری: ج۱،ص: ۴۲۰،۴۲۱/مسلم: رقم الحدیث: ۲۳۳۰

(۲۱) نورالدین ہیثمی: مجمع الزوائد، کتاب العلم ج۱،ص: ۱۲۹

(۲۲) جمع الفوئد ج۱،ص: ۶۳

(۲۳) ایضاً ج۱،ص: ۲۲۱/مسلم ج۱،ص: ۲۲۳

(۲۴) الاعراف: ۱۵۷

(۲۵) البقرۃ: ۱۸۵

(۲۶) بخاری: ج۱،ص:۱۵۰/مسلم: رقم الحدیث: ۱۷۳۴

(۲۷) بخاری: ۶،۴۱۹/مسلم: رقم الحدیث: ۲۳۲۷

(۲۸) مسلم: ج۱،ص: ۲۰۸

(۲۹) بخاری: ج۲،ص: ۱۳۲

(۳۰) ابوداؤد: رقم الحدیث: ۴۸۰۰

(۳۱) بخاری: ۱۰،۲۳۴/مسلم: رقم الحدیث: ۱۰۵۷

(۳۲) بخاری: ۹،۴۵۸/احمد بن حنبل: المسند ۴،۲۶

(۳۳) بخاری: ۱۱،۲۰۲/ترمذی: رقم الحدیث ۲۴۵۶/ابن ماجہ: رقم الحدیث ۴۲۳۱

(۳۴) بخاری: ۹،۸۹،۹۰/مسلم: رقم الحدیث ۱۴۰۱

(۳۵) مسلم: رقم الحدیث ۸۶۶

(۳۶) ایضاً: ۳۸

(۳۷) بخاری: ۱۰،۳۷۴/مسلم: رقم الحدیث ۱۰۰۵

(۳۸) بخاری: ۱۰،۳۷۴/مسلم: رقم الحدیث ۲۶۴۱

(۳۹) بخاری: ۱۰،۳۳۸/مسلم رقم الحدیث ۹۰

(۴۰) ترمذی: رقم الحدیث ۲۳۴۵/ابن ماجہ: رقم الحدیث ۴۱۶۴

(۴۱) الحجر: ۸۸

(۴۲) مسلم: رقم الحدیث ۲۴۱۳

(۴۳) بخاری: ۱،۱۶۰،۱۶۱/مسلم: رقم الحدیث ۲۲۸۲

(۴۴) مشکوۃ: ج۲،ص ۴۴۱

(۴۵) ابن عبدالبر: جامعہ بیان العلم وفضلہ،ص ۱۰۷

(۴۶) بخاری: ۱۱،۲۷/مسلم: رقم الحدیث ۲۱۶۸

(۴۷) المائدۃ: ۱۰۱

(۴۸) مسلم: ج۱،ص ۴۵۲

(۴۹) الشوریٰ: ۲۳

(۵۰) مسلم: رقم الحدیث ۲۵۸۸

(۵۱) مسلم: رقم الحدیث: ۲۷۶

(۵۲) تلاش علم ص:۱۲۵۔(مترجم مولانا شریف ہزاروی)۔
(۵۳) مفتاح دار السعادۃ ص:۱۸۰ جلد نمبر۲۔ (لعلامۃ ابن قیمؒ)۔
(۵۴) کتاب المناقب للامام بخاریؒ۔
(۵۵) صحیح مسلم ص:۷۵۷، ج:۲للامام مسلمؒ۔
(۵۶) صحیح البخاری ص:۷۵۱، ج۲ کتاب العلم۔محمد اسماعیل البخاری۔
(۵۷) الرحلۃ فی طلب الحدیث ص۱۷، ج ا الخطیب بغداد۔
(۵۸) فتح الباری ص:۱۸۸، ج:۷لعلامۃ الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ۔
(۵۹) شرح الالفیہ ص:۱۰۱ وفتح المغیث ص:۱۷۷ حافظ سخاویؒ۔
(۶۰) مقدمہ ابن خلدون ص:۷۳۲، ۸۰۸عبد الرحمان بن محمد بن خلدونؒ۔
(۶۱) النافع البدیع باب تذکرۃ السامع والمتکلم الخ ص:۶۱، ج۷ لامام ابن جماعۃ۔
(۶۲) (اخرجہ البخاری)۔
(۶۳) (البدایۃ والنہایۃ ۲۶۹/۴)۔
(۶۴) (الاصابۃ ۲۵۹/۱)۔
(۶۵) (البدایۃ والنہایۃ ۲۶۹/۴)۔
(۶۶) (حیاۃ الصحابۃ ۱۸۶/۱)۔
(۶۷) (حیاۃ الصحابۃ ۱۸۷/۱)۔
(۶۸) تدوین الحدیث:ص:۱۷۸ مناظر
(۶۹) میزان الاعتدال، لامام اسماعیل بن عیاش الحصیؒ المولود ۱۰۶ھ المتوفی ۱۸۲ھ۔
(۷۰) تہذیب التہذیب:ص:۶۰، ج ا عبد اللہ بن الطفیل البکائی الکوفیؒ۔
(۷۱) الجواہر المضیۃ لامام محمد بن حسن الشیبانی الکوفیؒ۔
(۷۲) ترتیب المدارک، سیر اعلام النبلاء ص:۷۱، ۸۸لعلام ابو عبد اللہ عبد الرحمان بن القاسم العتقیؒ۔
(۷۳) تذکرۃ الحفاظ:ص:۶۰۶۔
(۷۴) معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار ص:۱۱۱، ج ا۔
(۷۵) معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار ص:۱۸۱، ج ۴۔

(۷۶) طبقات الشا فعية الكبرىٰ . لعلامة تاج السبكيؒ.

(۷۷) معرفة القراء الكبار ص:۱۷۶، ج :۱ ابو بكر محمد اصفهانی محمد بن عبدالرحيم التوفی:۲۹۶ھ۔

(۷۸) قرآن مجید،آل عمران۳۔۱۳

(۷۹) قرآن مجید،احزاب۳۳۔۲۱

(۸۰) ندوی ، سیّدسلیما ن ، خطبات مدراس ،۹۶ (کتب خانه مجیدیه ، ملتان)

(۸۱) قرآن مجید . لقمان ۳۱.۱۳۔۱۹

(۸۲) قرآن مجید .المجادله ۵۸.۲۲

(۸۳) قرآن مجید .التحریم ۶۶.۶

(۸۴) البخاری الجامع الصحیح ، ج۱ ،ص۱۲۲ ، رقم ۲۵۵۸

(۸۵) البیهقی وابن سنی بحواله عبدالله ناصح علوان ، تربیة الاولاد فی الاسامی، ج۱ ، ص۷۶

(۸۶) الخطیب التبر یزی مشکاة المصابیح ،ص ۶۰۸)(کتاب الادب.باب الاسلامی)

(۸۷) النسائی ،السنن ، ج ۲،ص۱۸۰ کتاب العقیقه .باب العقیقه من الغلام ان رسول الله ﷺ قال فی الغلام شاتان مکافا تان وفی الجاریة شاة.

(۸۸) عبدالله ناصح علوان ، تربیة الاولاد فی الاسلام ، ج۲ ،ص ۶۴۷

(۸۹) ابنِ قیم، تحفة الودود بحواله تحفة العروس ،ص۴۵۷

(۹۰) الترمذی ، السنن ، ج ۲ ،ص ۱۷ (باب ماجاء فی ادب الولد کتاب البر والصلة)

(۹۱) ابوداؤد ، السنن (مع عون المعبود) ج۱، ص ۱۸۵(کتاب الصلوٰة باب متی یؤمر الغلام بالصلاة)

(۹۲) قرآن مجید ،التکویر (۸۱) ۸

(۹۳) مشکاة المصابیح ، ص ۴۲۷

(۹۴) استنبولی ، تحفة العروس ، ص۴۷۹،۴۸۹

(۹۵) البخاری ،الجامع الصحیح ، ج ۱، ص ۱۸۵ (کتاب الجنائز ، باب ماقیل فی اولادالمسلمین)

(۹۶) ابوداؤد ، السنن.

متفرقات:

النسائی، السنن، ج۲، ص۱۲۵۔۱۲۶ (کتاب النحل۔ ذکر اختلاف الفاظ الناقلین۔ بشیر بن نعمان)

مسند بزار۔ بحوالہ تحفۃ العروس، ص۴۹۵

الخطیب التبریزی، مشکاۃ المصابیح، ص۴۰۲ البخاری، الجامع الصحیح، ج۱، ص۷۴ (کتاب الصلوٰۃ)

زراعت کی حوصلہ افزائی:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مسلمان جو پودا بوتا یا اُگاتا ہے اور پھر اس میں سے کوئی انسان، جانور یا کوئی اور چیز کھالے یا چوری کریں تو وہ ضرور اس کے لئے صدقہ بن جاتا ہے''۔

[صحیح مسلم(۵۵۲): کتاب المساقاۃ(۲۲) باب فصل الغرس والزروع (۲) عن جابر]